

عیدسا ایت کیا ہے

محمد تقی عثمانی

دارالاشاعت کراچی

عیدسا ایت کیا ہے

www.onlyfor3.com
www.onlyonethree.com

www.onlyfor3.com
www.onlyonethree.com

محمد تقی عثمانی



www.onlyfor3.com
www.onlyonethree.com

دارالاشاعت کراچی

عیسائیت کیا ہے ؟

اس کتاب میں عیسائی مذہب کے بنیادی اوکار و نظریات اور عیسائیت کی اجمالی تاریخ بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عیسائیت کا بانی کون ہے؟ اور کیا عیسائیت فی الواقع حضرت عیسیٰ کے تعلیم قرمؤدہ عقائد پیش کرتی ہے؟

انشر: مولانا محمد تقی عثمانی

استاذ دارالعلوم کراچی ۷۵۱۰۱

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

دارالاشاعت

مقابل مولانا عیسا قمر خانہ بکراچی ۷۵۱۰۱

۱۲۵	پولس گیسائے سوار یوں کا طرزِ عمل	۷۱	قرآن وسطیٰ
۱۲۶	پولس اور برناباس	۷۲	اتفاقِ عظیم
۱۳۲	یروشلم کو نکل	۷۳	صلیبی جنگیں
۱۳۹	گلیتیوں کے نام خط	۷۴	پاپائیت کی بدعنوانیاں
۱۴۵	سناج	۷۵	اصلاح کی ناکام کوششیں
۱۴۷	جدائی کے بعد	۷۶	عہدِ اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ
۱۵۸	انجیل برناباس	۷۷	عقائیت کا زمانہ
۱۶۹	پولس اور پطرس	۷۸	تجدد کی تحریک
۱۷۲	پطرس کے خطوط	۷۹	احیاء کی تحریک
۱۷۵	یعقوب اور پولس	۸۰	دوسرا باب عیسائیت کا بانی کون ہے؟
۱۷۷	یوحنا اور پولس	۸۱	پولس کا تعارف
۱۷۹	دوسرے حواری	۸۲	حضرت مہیٰ اور پولس (۱)
۱۸۰	سناج	۸۳	تشلیت اور طول کا عقیدہ
۱۸۱	پولس کے مخالفین	۸۴	حضرت مسیح سوار یوں کی نظر میں
۱۹۶	آخری زمانے میں	۸۵	انجیل یوحنا کی حقیقت
۱۹۷	انجیل برناباس	۸۶	سناج
۱۹۸	انجیل برناباس میں آں حضرت صلی	۸۷	عقیدہ کفارہ
۱۹۹	اسد علیہ وسلم کا اسم گرامی	۸۸	تورات پر عمل کا حکم
۲۰۰	اس انجیل کی دریافت	۸۹	عشارہ بانی
۲۰۱	انجیل برناباس کی حقیقت	۹۰	ختم کا حکم
۲۰۲	☆	۹۱	تاریخی شواہد (۲)
۲۰۳		۹۲	عرب کا سفر

پیش لفظ

(حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم)
الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى

عیسائیت کے بارے میں جہاں عوام میں پھیلانے کیلئے مختصر اور عام فہم کتابچوں کی ضرورت ہے وہاں اس کی ضرورت بھی کم نہیں کہ تعلیم یافتہ افراد کو اس مذہب کی تحقیقی معلومات فراہم کی جائیں، اور جو لوگ تقریر و تحریر کے ذریعہ عیسائیوں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیں انکو عیسائیت کے صحیح مد و خال سے آگاہ کیا جائے ورنہ نامکمل معلومات کی بنیاد پر جو کام کیا جائے وہ بعض اوقات اُسے نتائج پیدا کر لے گا سبب بن جاتا ہے۔

اس مقصد کے لئے احقر نے اپنی نگرانی میں حضرت مولانا رحمت اللہ علیہ کی مشہور کتاب ”اظہار الحق“ کا اردو ترجمہ اور تشریح و تحقیق تین جلدوں میں مکتبہ دارالعلوم سے شائع کروایا۔ برخوردار عزیز مولوی محمد تقی عثمانی سلمیہ نے اس کتاب کی تشریح و تحقیق کے علاوہ اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا تھا جو اناؤۃ عام کیلئے اب الگ کتابی صورت میں منظر عام پر آ رہا ہے۔

یہ مقالہ درحقیقت اپنے موضوع پر ایک مستقل مکمل اور جامع اور بے نظیر تصنیف ہے، جس میں عیسائیت کی اصل حقیقت خود عیسائیوں کی مسلمہ قدیم و جدید کتابوں سے لکھا گیا ہے، اس سلسلے کا بڑا مواد انگریزی زبان کی کتابوں میں تھا۔ برخوردار عزیز کو حق تعالیٰ نے علوم و ہنر میں خاص مہارت کیساتھ انگریزی زبان اور جدید فنون میں بھی خاص استعداد عطا فرمائی ہے انہوں نے ایم، اے، ایل، ایل، ایل کے امتحانات میں امتیازی حیثیت کی ڈگریاں حاصل کی ہیں، اس لئے ان کو اس سلسلے کے انگریزی لٹریچر سے بڑی مدد ملی ہے، یہ کتاب انشاء اللہ محققانہ اور عادلانہ انداز میں عیسائیت کا ایک آئینہ ثابت ہوگی مطالعہ سے اس مذہب کی مستند ضروری اور اہم معلومات عمدہ ترتیب اور انضباط کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہیں،

اس حصے کی افادیت کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکتا گا۔ "مقتیدہ کفارہ" عیسائی مذہب کی بنیاد ہے لیکن اس عقیدے کا جو تصور مانا لوگوں میں پھیلا ہوا ہے وہ حقیقت کی خلاف ورزی ہے، اس کے نتیجے میں کی طرح تو بعض عیسائی پادری صاحبان اس عقیدے کو مستانحہ بنا کر بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر نیکی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف اس عقیدے پر جو تصدیقیں باقی ہیں۔ وہ اصلیت سے نادانانہ ہونیکی وجہ سے غیر موثر ہوتی ہیں، اور حق بات کی صحیح و کالت نہیں کر سکتیں۔

اس کتاب میں اس عقیدے کو اسکی پوری تفصیلات اور مکمل پس منظر کیا بیان کر کے اسپر مختصر مگر مباحث اور مستحکم تنقید کی گئی ہے۔

کتاب کا دوسرا باب اس مقالہ کی خاص چیز ہے اور فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے اس باب میں خود عیسائی حوالوں سے اس بات کی مفصل تحقیق کی گئی ہے کہ کیا موجودہ عیسائی مذہب واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر مبنی ہے؟ اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ تو اس میں تحریف و ترمیم کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا؟ اور اسے کس نے بگاڑ کر موجودہ شکل دی؟ پولس کو دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی موجودہ عیسائیت کا اصل بانی قرار دیا ہے۔ لیکن اس مقالہ میں جس تحقیق اور وقت نظر کے ساتھ مستحکم دلائل، تاریخی ثوابہ اور خود عیسائیوں کے اعترافات کے ذریعہ اس بات کو ثابت کیا گیا ہے وہ اس مقالہ کی خصوصیت ہے، اور کسی دوسری کتاب میں احقر کی نظر سے نہیں گزری۔

آخر میں ایک مضمون "انجیل برنا باس" کی تحقیق سے متعلق جس انجیل میں صاف لفظوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مذکور ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول دیکھ جانے کی تردید کی گئی ہے اور پولس کو دین عیسوی کا بگاڑنے والا قرار دیا گیا ہے، لیکن عموماً عیسائی علماء اسے جعلی انجیل قرار دیتے ہیں۔ اس مضمون میں مضبوط دلائل کیساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ عیسائیوں کے اصول تنقید کے مطابق یہ انجیل اتنی ہی مستند ہے جتنی انجیل اربعہ۔ یہ بحث بھی بڑی دلچسپ اور مفید ہے،

مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب عیسائی مذہب کے بارے میں ایک ایسا حق کو صحیح راستہ دکھاتے کے لئے بالکل کافی ہوگی۔ اور مسلمانوں کے لئے ایمان و یقین میں ترقی کا سبب بنے گی اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مقبول اور مفید بنائے اور اس سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے آمین،

بندہ محمد شفیع ۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

الحمد للہ وکفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

پانچ سال پہلے احقر نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کبیر الہویؒ کی کتاب ”الہدایہ الحق“ پر جس کا اردو ترجمہ احقر کی تشریح و تحقیق کے ساتھ ”بائبل سے قرآن تک“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ایک مبسوط مقدمہ لکھا تھا، اور اس میں عیسائی مذہب سے متعلق اپنے چار سالہ مطالعہ کا حاصل پیش کرنے کی کوشش کی تھی یہ مقدمہ ”بائبل سے قرآن تک“ کی پہلی جلد کے شروع میں شائع ہو گیا ہے،

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری اس ناچیز کاوش کو تمام علمی حلقوں کے میری توقع سے زیادہ سراہا۔ اخبارات و رسائل میں اس پر حوصلہ افزا تبصرے شائع ہوئے اور برصغیر کے اکابر علماء نے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما کر ناچیز کی غیر معمولی ہمت افزائی کی بہت سے بزرگوں اور احباب کا خیال تھا کہ اگر اس مقالہ کو الگ کتابی صورت میں شائع کرویا جائے تو یہ زیادہ مفید ہوگا۔

واقعہ یہی ہے کہ ہر شخص ”بائبل سے قرآن تک“ جیسی ضخیم کتاب سے جو تین جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ استفادہ نہیں کر سکتا، اسلئے برادر محترم جناب محمد رضی عثمانی صاحب نے ”دور الاشاعت“ سے احقر کے اس مقالہ کو الگ کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ فرمایا، اس موقع پر احقر نے سرسری طور سے مقالہ پر نظر ثانی بھی کی ہے، اور بعض نہایت معمولی ترمیمات بھی۔ اس کے ساتھ ہی انجیل برناباس کے بارے میں احقر کا ایک مفصل مضمون بھی جو ”بائبل سے قرآن تک“ کی جلد سوم میں ایک ماحیہ کے طور پر شائع ہو چکا ہے، اس مقالہ کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

کیونکہ زیر نظر مقالہ کے دوسرے باب میں بعض بحثیں ایسی ہیں جو اس مضمون کی روشنی میں زیادہ واضح ہو سکیں گی۔

اس معمولی مقدمہ و اضافہ کے بعد یہ کتاب آپ کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بلا ناہ میں شرف قبولیت عطا فرماتے اور اس کو مولف و ناشر دونوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے آمین۔

حوالوں سے متعلق تین بائبل و تین قرآنیں۔

(۱) اس کتاب میں ہر جگہ اردو بائبل کا وہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن استعمال کیا گیا ہے جو حوالہ جات کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں لوائڈ برائڈ وین پرنٹرز کے زیر اہتمام لندن میں چھپا اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا۔

(۲) بائبل کی تمام عبارتوں کے حوالے اس طرح دیئے گئے ہیں کہ پہلے باب کا نمبر درج ہے، پھر آیت کا نمبر مثلاً ۱۲:۱۲ کا مطلب ہے انجیل مٹی کے ساتویں باب کی بارہویں آیت۔

(۳) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالے آپ کو مایا ملیں گے، پوری کتاب میں میرے پیش نظر اس کا ۱۹۵۷ء کا ایڈیشن رہا ہے۔

آخر میں درخواست ہے کہ جن حضرات کو اس کتاب سے کوئی فائدہ پہنچے وہ ازراہ کرم ناچیز کو دعائے خیر میں یاور رکھیں۔ وصا تو فی فی الا باللہ !

محمد تقی عثمانی

۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

دارالعلوم - گورنگی

کراچی ۱۴

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عیسائیت کیا ہے

اس کتاب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بابتصرہ پیش کریں گے۔ ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہ راست اہل مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں۔ اور چونکہ اس کتاب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے۔ اس لئے اس میں اس کے کسی نظریے پر مفصل تبصرہ نہیں کیا جائے گا۔ اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریے پر مفصل تنقید موجود ہے۔ البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

عیسائیت کی تعریف | انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرف کے باشندے یسوع کی طرف منسوب

کرتا ہے، اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔“ (برٹانیکا مقالہ عیسائیت، ص ۹۹۳)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ ایس، گاروس نے اسی تعریف کو مزید پھیلایا اور واضح کر دیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھنکس کے مقالے ”عیسائیت“ میں وہ لکھتا ہے:-

عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی، موجدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ سمجھ کر دیا گیا ہے۔
اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گاروے نے اس کے ایک ایک جزیرے کی توضیح کی ہے،

”اخلاقی مذہب“ سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا نمام نمر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،
”تاریخی مذہب“ کا مطلب وہ یہ بیان کرنا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری انتہائی حاصل ہے۔
”کائناتی“ ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کس خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے۔

عیسائی مذہب کو موجد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں یمن اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث — یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث کے بارے میں یہ کہا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک مذہب تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آگیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی نوع کے اعتبار سے موجد ہے، اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدت کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔“

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ”کفارے“ پر ایمان رکھتا ہے، اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گاروے

لکھتا ہے -

”خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہیے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے نخل پذیر ہو گیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اُسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو ہیچ میں والے سے ہوتا ہے۔
یہ مہتی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں۔“

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تقریباً اتنی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارتن ریلٹن لکھتا ہے -

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ باوجود وجود ہے، جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ مستعفی ہے، اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے۔ وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے جی لوہا انسان کو وحی کے ذریعے بتلائی ہیں۔“

لے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھنیکس، ص ۵۸۱ ج ۳، مقالہ ”Christianity“

H. Maurice, Ralton: Studies in Christian Doctrine,
Macmillan, London 1960 P. 3

عقیدہ تثلیث

یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھی ہوئی ہیں، اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کسے ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) کے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعمیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ”خدا“ باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور کنواری مریم، وہ تین اقانوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدا کے مجموعے سے جسے

ثالث (Trinity) کہتے ہیں، اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خداؤ ہیں، مگر مجموعہ خدا سے کمتر ہیں، اور ان پر لفظ ”خدا“ کا اطلاق ذرا ویسے معنی میں کر دیا گیا ہے۔ تیسرا

۶ عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے، دیکھئے برٹانیکا میں ۱۹۶۹ء ج ۲۲، مقالہ ”Trinity“

۷ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ ”انیرمدیس“ اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے دیکھئے نوید جاوید، ص ۲۵۶ بحوالہ پاورس، پہلے سادہ،

Albert Journal XXIV No. 1, as quoted by the Encyclopedia

Britannica 1950 P. 479 V. 22 "Trinity".

St. Thomas Aquinas, Basic Writings of: P. 327 V.I

گروہ کہتا ہے کہ وہ یہ تین خدا ہی نہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے

توحید فی التثلیث | عرمن اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک "خواب پریشان"

بن کر رہ گیا ہے، ہم اس بلکہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے۔

"تثلیث کے عیسائی انگریزی کو ان الفاظ میں ایسی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے

کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ لکرتین

خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم

جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھتے ہیں وہی اسی طرح

ہمیں کیٹھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو

تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔"

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے

مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب

(On the Trinity) میں لکھتے ہیں۔

"وعدہ قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیٹھولک علماء جنہیں پڑھنے کا لمحہ اتفاق

ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب

مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا

اور روح القدس ال کر ایک "خدا الی وحدت" تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت

اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابلِ تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا

نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہذا جو باپ ہے

وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے جو بیٹا ہے وہ

لے یہ فرقہ مرقیہ کا مذہب ہے (الخط المقربین ص ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷

باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا۔ بلکہ باپ اور بیٹے کی رُوح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصّہ دار ہے۔

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اپنے پنطیس پہلے سال نے پھانسی دتی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی۔ کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جانیے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کوئی تو کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پتھر دیا جا رہا تھا۔۔۔۔

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو پتھر دیا جا رہا تھا، یا حبیب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ ”تو میرا بیٹا ہے۔“

..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابل تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابل تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیسے ہوگا عقیدہ ہے۔“

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جو اس ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے

۱۔ اشارہ ہے متی ۱۶: ۲ کے واقعہ کی طرف،
۲۔ اشارہ ہے متی ۵: ۱۷ یعنی باپ کے واقعہ کی طرف،

Basic Writings of St. Augustine, trans. by A. W. Haddan

and edited by Whitney J. Oates. New York 1948

P. 672 V. 2.

اور روح القدس سے کیا مراد ہے ؟

باب عیسائیوں کے نزدیک "باپ" سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے، جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کوئی کمی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل و Principle کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس اکیویناس کی تشریح کے مطابق "باپ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنما ہے، اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، اور نہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے ؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے

الفریڈی ای گاروے نے لکھا ہے کہ:

"اُس سے کسی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں، جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیع اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف ریٹین اینڈ ایتھنکس ص ۲۵۵۸۵)

بیٹا "بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام Word of

God ہے لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے اکیویناس لکھتا ہے:

۱۔ انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مورو نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہری جوہر خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقتاً، نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے۔ ۱۔

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے۔ خدا کی یہی صفت ”یسوع مسیح بن مریم“ کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، اس کی وجہ سے ”یسوع مسیح“ کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حقیقت رکھتا ہے اس لئے اسے اشد اٹھ چم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے،

روح القدس ۱۔ Holy Spirit اسے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے۔

یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے اسی وجہ سے اسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حقیقت مائل ہے۔ یہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک گبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۱۶:۲ اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدہ ۵

۱۔ Aquinas, The Summa Theologica Q. 33 Art 206,3.

۲۔ Augustine, The City of God, Book XI ch XXIV

۳۔ The City of God P. 168 P.2.

تشکیث کی تشریح میں گزر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو عید پینٹی کو سٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۲۲ اور اگسٹائن، ص ۶۷۲ ج ۲)

اب عقیدہ ”توحید فی التشلیت“ (Trinity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفت کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے۔ لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک حیل بنارہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی، اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، ساتھ ساتھ مالک بھٹیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے اختتام اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ حال پروفیسر مارٹن رلیٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے۔

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایبونی فرقہ (Ebionites) لکھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کہنا پڑے گا

کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انہیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس قرار دے دی جیئے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی حقیقت و باہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے ”باپ“!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر قرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی۔ اس عقیدے کے لوگوں کو بدعتی اور ملحد (قراردیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا)

ایہی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انہوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی خدائی سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن مشرک کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا صرف ”باپ“ ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ ”باپ“ نے خدائی کی یہ صفت دے بیٹھے، اور ”روح القدس“ کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا ویٹھے ”کوپا نکل“ ”باپ“ کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی۔

ایک تیسرا فرقہ پیٹری مشین (Patripassian) تھا، نائیس (Calistus) پر گزیریں (Praxeas) کالتس (Calistus) اور زیفیرینوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے،

انہوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ حقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا اور حقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہے، غیر فانی ہے، انسان کی نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن

چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے، تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آسکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مر بھی سکتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی روپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا روپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اُسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اُسے سولی پر چڑھا دیا۔ لہذا درحقیقت "یسوع مسیح" یا "بٹیا" کوئی الگ اقسام یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام "بٹیا" رکھ لیا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر "ایک اور تین کے اتحاد" کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابل حل مسئلے کھڑے کر دیئے، اور اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریے کی کوئی بدولت نہ کی جو "باپ" اور "بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر بچوں کا توں رہا۔

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابل قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسئلہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ بخود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں

لے یہاں ہم نے ان فرقوں کے عمائد کالپ باب اور فلاسٹین کیا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے دین رٹن کی کتاب۔

سے بشیر تو وہ ہیں جنہوں نے اس گنتی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مدین کا ایک اور ایک کاتین، ہونا ایک سرستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، لہٰذا اور کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اس عقیدے کی کوئی عقلی تاویل

لے اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدہ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جب طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی الْعَرْشِ الْمُنْتَوٰی جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی ہماری نگاہ سے باہر ہے۔

ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل

متشابہات کی حقیقت

سے سمجھ لیجئے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیاتوں میں جو مفہوم پہچان ہوتا ہے، اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کیسی دین کے ان بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں ہوتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کموں کموں کی بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل پہنچ نہیں کر سکتی۔ متشابہات، وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھ میں نہ آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضرت نہ ہو، اور جس کے ماننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا علی حکم موقوف نہ ہو، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدہ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لاتے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اسی عقیدہ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان نے ایک ایسی بات کے سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظ دیگر عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کی نجات اور ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے اور ماننے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

دوسرے عقیدہ تثلیث کو متشابہ قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت (باقی صفحہ آئندہ)

”اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی مجسّم یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں مثلاً ہڈی، گوشت، خوں، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے۔“ (تکشف القلیب ص ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۱۹۲۷ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں ”تین اقانیم“ سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہے۔ حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ

چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص "انسان" نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جز کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں سے ہر ایک کو "خدا" قرار دیتا ہے، خدا کا جز نہیں مانتا ہے۔

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تئلیٹ کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات اُن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظر انداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء و متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل، جامع اور مبسوط کتاب تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اے، ڈبلیو، میڈن نے کیا ہے، جو (On the Trinity) کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعہ مقالات کا جز ہے، جو ۱۹۶۸ء میں نیویارک سے "بلیک رائٹنگس آف سینٹ"۔۔۔۔۔ آگسٹائن کے نام سے شائع ہوا ہے۔

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے تین اور ایک کے اتحاد کو عقلاً جائز ثابت کرنے کیلئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جز دہان لیتا تو پادری صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی یہ دوسری بات ہے کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی مدد میں عقائد عقل اور اسکے قدم و اُکھ کے منافی ہے۔ ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا، تا

دماغ کی مثال سے تشبیہ کا اثبات

اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہے تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے، گویا :-

عالم (جس نے جانا) ————— آپ

معلوم (جس کو جانا) ————— زید

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) ————— دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، اور آلہ علم بھی وہ خود ہی ہے۔ اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ :-

عالم (جس نے جانا) ————— دماغ

معلوم (جس کو جانا) ————— دماغ

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) ————— دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلہ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہو گئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہو گا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہو گا، اگر کوئی پوچھے کہ آلہ علم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے۔ ان تین صفات میں ہر ایک کے حال کو دماغ کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دماغ تین ہیں، ————— آگسٹائن

کہنا ہے کہ اسی طرح خدا تین اقانیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے، لہذا آگسٹائن نے یہ مثال پیش کر کے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انسانی سمجھ کے ساتھ طور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تشکیلیت اعتباری ہے، حقیقتی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں تو حید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی، اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہے، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعہ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خلائی مفہود بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعہ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلہ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے، اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احوال کام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں :-

”ویر نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پطیس پطیس ٹس نے چھانی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کوہِ زکریا میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پیشہ دیا مبارک تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا“

علیٰ ہذا التیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ حبیب یسوع مسیح کو مقسمہ دیا جا رہا تھا۔۔۔ تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے۔ (آگسٹائن،

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

(ص ۶۷۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ ان کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آگے علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آگے علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں، حالانکہ عقیدہ تثلیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ کا ایک مستقل وجود ہے، بیٹے کا دوسرا مستقل وجود ہے، اور روح القدس کا تیسرا مستقل وجود ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں۔

خلاصہ یہ کہ عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں ”وحدت“ بھی حقیقی ہے، اور کثرت (تثلیث) بھی، لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے، مگر کثرت حقیقی نہیں ہے، بلکہ اعتباری ہے، اس لئے اس سے قین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں تک اللہ کے ایک وجود میں صفات کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ محل نزاع ہی نہیں ہے، اس کے تمام مذاہب قائل ہیں، سب مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہونے کے باوجود بہت سی صفات رکھتا ہے، وہ رحیم بھی ہے قہار بھی، عالم الغیب بھی ہے قادر مطلق بھی، اس طرح اس کی بہت سی صفات ہیں، اور ان سے اس کی توحید پر کوئی حروف نہیں آتا، اس لئے کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ رحیم خدا کوئی اور ہے، قہار کوئی اور، اور قادر مطلق کوئی اور۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب یہ کہتا ہے کہ باپ

الگ ایک خدا ہے، بیٹا الگ خدا ہے، اور روح القدس الگ خدا ہے، اور اس کے باوجود یہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہیں۔

دوسری مثال انگشتان نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے وہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفتِ علم سے محبت رکھتا ہے، اور اس محبت کا اسے علم ہے، لہذا وہ اپنے علم کیلئے محبت ہے، اور محبت کے لئے عالم ہے، یعنی:

دماغ ————— اپنے علم کے لئے ————— محبت ہے،

دماغ ————— اس محبت کیلئے ————— عالم ہے،

لہذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں، دماغ، محبت، عالم، اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں، اس لئے کہ محبت بھی دماغ ہے، اور عالم بھی دماغ ہے، اور دماغ تو دماغ ہے ہی، اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں، خدا کی ذات (باپ)، اُس کی صفتِ علم (بیٹا) اور اس کی صفتِ محبت (روح القدس)، اور یہ تینوں ایک خدا ہیں،

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذات ہے، اور محبت اور عالم اس کی دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفتِ کلام (بیٹا) اور صفتِ محبت (روح القدس)، اس کی دو ایسی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہر ہی اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہے۔ اور کثرت اعتباری یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدہ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے، — اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفتِ کلام اور صفتِ محبت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہر ہی وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور سیاست کے

درمیان مختلف فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفت محبت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں میٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں۔

اگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں۔

حضرت مسیح کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام (یعنی میٹے کا اقنوم) انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدا ہی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا، اُس وقت یہ خدا ہی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہو گیا۔ پھر تین دن کے بعد آپ پھر دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیئے، اور انہیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے، اور یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدم کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا،

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں۔

Incarnation

(۱) عقیدہ حلول و تجسم

Crucifixion

(۲) عقیدہ مصلوبیت

Resurrection

(۳) عقیدہ حیات ثانیہ

Redemption

(۴) عقیدہ کفارہ

ہم ان میں سے ہر ایک جز کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عقیدہ حلول و تجسم | حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت یسوع کی سوانح

کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے۔

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی

ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔ (یوحنا ۱: ۱ تا ۱۴)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے۔

”اور کلام تجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان

رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“

(یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں ”کلام“ خدا کے اقنوم ابن سے

عبارت ہے، جو خود مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا

کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم تجسم ہو کر حضرت یسوع علیہ السلام کے روپ

میں آگیا تھا، ماس ریلیئن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”کیقولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا معنی، خدائی کی

صفات کو چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود

کی کیفیات اختیار کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے، اور ایک

عرسے تک ہمارے درمیان مقیم رہی۔“

”بیٹے“ کے اقنوم کو یسوع یسوع (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد

کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس یعنی پہلے عرض کیا جا چکا

ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفتِ محبت ہے اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لئے اس نے اپنی صفتِ محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عیسائیوں کے نزدیک ”بیٹے“ کے حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”بیٹا“ خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح ”بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی،“ الفریڈ ای، گارو کے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے۔

”وہ حضرت مسیح (حقیقۃً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے انتہائے شیں نے آریوس کے مقابلے میں اس نظریے کی پرزور حمایت کی تھی لہذا منظور شدہ فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح ؑ کی ایک شخصیت میں دو باتیں جمع ہو گئی تھیں۔“

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح ؑ خدا سے کم رتبہ تھے، اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا کہ:

”باپ مجھ سے بڑا ہے۔“ (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن

۱۳۴ ایضاً ص ۱۳۴

۱۳۵ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھنکس ص ۵۸۷-۵۸۸ مقالہ ”عیسائیت“

خدا کی حیثیت سے وہ ”باپ“ کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ :-

”میں اور باپ ایک ہیں“ (یوحنا ۱۰:۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں :-

”علیٰ ہذا القیاس خدا کی حیثیت سے انہوں نے انسان کو پیدا کیا ،

اور انسانی حیثیت سے وہ خود پیدا کئے گئے“ لہ

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ :-

”چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنا یا تھا کہ وہ اپنی اس

خدا کی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے..... لہذا

ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدا کی شکل میں

خود اپنے آپ سے افضل ہیں، اور اس طرح اپنی انسانی حیثیت میں

خود اپنے آپ سے کمتر بھی ہیں“ (ص ۸، ۷، ۶ ج ۲)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور

مخلوق بھی؟ مخالف بھی ہو اور مخلوق بھی؟ ہرگز بھی ہو اور کمتر بھی؟ — عقیدہ تثلیث

کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے

جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ”علم مسیحیت“ (Christology) کے

نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہے وہ اس سوال کے جواب

میں زیادہ تر انجیل یوحنا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے

نزویک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت ہے، یہی عقل، تو عقیدہ حلول کو...

لہ آگسٹائن ص ۸، ۷، ۶ ج ۲

لہ ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اظہار الحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ "خدا" اور "انسان" کا یہ اتحاد ایسا متعجبیہ انگومشی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے لہ کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آیتنے میں کسی انسان کی شکل منکس ہو جائے، تو جس طرح انگومشی اور تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، انگومشی اور تحریر، اور جس طرح آیتنے میں کسی شکل کے منکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں آیتنے اور منکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں پائی جاتی تھیں، ایک خدا کی اور ایک انسان کی ————— لیکن اس دلیل کو اکثر عیسائی مفکرین نے قبول نہیں کیا لہ

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا، اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:-

لے دیکھیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۹، ۴، ۲۲، مقالہ "تسلیٹ" مطبوعہ ۱۹۵۰ء، اس لئے کہ ذرا سا غور کیا جائے تو رومن کیتھولک چرچ کی یہ دلیل بہت سلی ہے اس لئے کہ انگومشی میں جو تحریر نقش ہوتی ہے، وہ اپنے ظاہری اتصال کے باوجود انگومشی سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی وجہ سے کوئی انگومشی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ تحریر ہے اور نہ تحریر کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگومشی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب اقنوم ابن کے حلول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا تھے، اور خدا کو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا، اسی طرح اگر آیتنے میں زید کا عکس نظر آ رہا ہے تو وہ آیتنے سے بالکل الگ ایک چیز ہے یا تھا لہ کوئی آیتنے کو یہ نہیں کہتا کہ یہ زید ہے، اور نہ زید کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آیتنے ہے، اس کے برعکس عیسائی مذہب میں حضرت مسیح کو خدا اور خدا کو انسان کہا جاتا ہے، لہذا یہ مثال کسی طرح عقیدہ حلول پر فٹ نہیں ہوتی،

وہ جنہوں نے حضرت مسیح کو
خدا مانتے سے انکار کر دیا،

ان میں سے ایک گروہ تو وہ تھائیں نے
اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ
کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی

غلط ہے، وہ صرف انسان تھے، اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

مستر جیمس میک کنن (James Mackinnon) نے اپنی فاضلانہ

کتاب (From Christ to Constantine) میں ان مفکرین کا

تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، ان کے بیان کے مطابق اس نظریے

کے ابتدائی بیڈریال آف سموٹاٹ (Paul of Samosata) اور

لوسین نے (Lucian) تھے، مسٹر میک کنن لکھتے ہیں۔

» وقتوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے

نظریات میں فرق یہ ہے کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے

جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسین اور اس

کے مکتب فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے، جس کو خدا عدم سے

وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آگئی تھی، لہذا

وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر ان کی روح انسانی

نہیں تھی، ان کا مشن یہ تھا کہ وہ »باپ« کا پیغام پہنچائیں لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق

خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودانی تھے»

۱۔ علامہ ابن حزم نے اس کا نام دے بوس الشتمی » ذکر کیا ہے (الملل والنحل، ص ۴۸۸ ج اول،

یہ شخص ۲۶۰ء سے ۳۴۲ء تک انطاکیہ کا بطریریک رہا ہے، (دیکھیے برٹانیکا، ص ۳۹۸ ج ۱۴)

۲۔ لوسین (متوفی ۳۴۰ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جس نے تمام عہد امپائرہ زندگی گذاری، اس

کے نظریات پوس شتمی اور آریوس کے نظریات کے مابین تھے، شمساطہ میں پیدا ہوا تھا لیکن

زندگی کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں گزرا (برٹانیکا، ص ۴۶۰ ج ۱۴، مقالہ لوسین)

گویا پال نے تو سرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیحؑ کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسین نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی صفت علم اُن میں حلول کر گئی تھی لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کو خدا، خالق، قدیم اور جاودانی بنا دے بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیحؑ بدستور مخلوق، پال اور لوسین ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جس میں میک کنن کے الفاظ میں یہ تھا:

”آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے اور اس کا کوئی سا بھی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا جب کہ وہ پہلے معدوم تھا، لہذا نہ بیٹا جاودانی ہے، اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے ہیں، وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے البتہ اس میں ”مکمل“ ہونے کی صلاحیت موجود ہے اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے۔ ایک عقل عظیم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، باپوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔“

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیحؑ کی حیثیت یہ تھی کہ بظ

بعد از خدا بزرگ قوتی قسطہ محضر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانہ میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اُسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں۔

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر ایگزیکٹو اور انتہائی تینس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسیح کے کسی ایسے عمل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدہ حلول کے شیعہ مفہوم پر کوئی حرج نہ آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلا وطن کر دیا گیا،

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ Paulician فرقہ نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک

پولسی فرقہ

بین بن رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے۔ انہیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ وہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ سریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انہیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ خدا کے بیٹے کہلاتے اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں لیکن اس کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نستوری فرقہ Nestorian فرقہ نمودار ہوا جس کا لیڈر نستور یوس (۴۵۱ء) تھا، اُس نے

نستوری فرقہ

اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اس ۱۹۶۷ء، مقالہ پالیٹینس۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدہ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بنیاد پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی۔
نسطوریوں نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بٹیا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم، بٹیا، خالص خدا ہے، اور مسیح، خالص انسان،
www.only1or3.com

robertsonthree.com
رومن کیتھولک چرچ کا فارمولہ یہ تھا کہ "ایک شخصیت اور دو حقیقتیں" اس کے برعکس نسطوریوں کا فارمولہ یہ تھا کہ "دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں" چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پورا پورے طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے جلاوطن اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا تاہم یہ فرقہ اب تک باقی ہے اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیڈن بیکر (Baker) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اس نے ہماری خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتیاز برتنا کہ وہ دو مستقل وجود بن گئے، اس لئے کلمت اللہ کو یسوع سے اور ابن اللہ کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دے دیا۔"

اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ (Jacobite Church) پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام

آخر زمانے کے بعض عقیدین مثلاً بیڈون بیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات کو ٹھیک سمجھا نہیں گیا، اگر پروفیسر مارٹن ریلین وغیرہ نے اسکی تردید کر کے افسس کو فصل کے فیصلے کی تائید کی ہے (دیکھئے

عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر یعقوب برذعمانی (Jacobus Baradeus) تھا، اس کا نظریہ آریوس اور نسطور آریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطور آریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں ”دو حقیقتوں“ کے ساتھ ”دو شخصیتیں“ ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ انہیں ”دو حقیقت“ بھی صرف ایک پائی جاتی تھی۔ اور وہ تھی خدائی، اور وہ صرف خدا تھے۔ گوہیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، وہی وہ لذ فیملی اناسیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسان حقیقتیں کچھ اس طرح

متحد ہو گئی تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی۔“

یہ نظریہ یعقوب برذعمانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو ”مونوفیزی فرقے“ (Monophysites) کہا جاتا ہے اور ساتویں صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بے حد زور رہا ہے۔

آخری ناول | مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عینہ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کیا کوششیں کی گئیں؟ لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیٹھولک چرچ کے عقائد سے انحراف

لے دی ورنڈ فیملی اناسیکلو پیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰، مطبوعہ نیو یارک ۱۹۵۷ء۔

تھے یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث تھے اور ان کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے بڑے شگامے ہو رہے تھے (دیکھیے برٹانیکا، ص ۱۵ ج ۱۵) مقالہ مونوفیزی فرقے آس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجہ ذیل ارشاد میں غالباً اپنی نفوذ کی طرف اشارہ کیا ہے: **كَلَّمَكَ كَافِرٌ مِّنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ**۔ ”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے۔“

کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اسے ”بدعت“ قرار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدہ حلول بھی ایک سرلبتہ راز ہے، جسے ماننا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن نہیں، (دیکھئے ہرٹائی کا)۔

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہین کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر وہ درمیان میں عقیدہ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ٹھیک ٹھیک رومن کیتھولک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے۔ اور اُسے جوں کا توں برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے یہ تاویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی، مگر اسے پروفیسر راس رلیٹن نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”اس قسم کا حلول (جس کا رومن کیتھولک چرچ قائل ہے) اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُسی وقت ہموار ہو گئی تھی جب پہلے انسان (آدم) کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی انسانی عنصر کو نبی آدم کے مخلوق وصالے میں نامکمل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہذا اسی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خلاص اور محض انسانیت آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور نامکمل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی خدائی کاروبار نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی گیوں نہ مقیم رہی ہو،

لہذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ مخلوق

لے یہاں راس رلیٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا (پیدائش ۱: ۲۷)

انسانیت نہیں تھی، جو ہم میں موجود ہے، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا
ہم تکے پاس ہے، اور جس کے مشاہدہ بنا کر ہم کو پیدا کیا گیا ہے، آخر کار
اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے جسے
ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت تھی، جو ہماری انسانیت
سے اتنی ہی مختلف ہے جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے۔

ملاحظہ یہ ہے کہ اس تاویل کی بدولت اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں
"خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی
انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں
کوئی اشکال نہیں،

یہ ہے وہ تاویل جو پروفیسر مارٹن ریلیٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول
نتیجہ خیر اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی فرق
نہیں آتا۔

لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اہل نظر سمجھ سکتے ہیں،

Studies in Christian Doctrine PP. 133, 144

لے اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں اہل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے
لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی جھوک، پیاس، خوشی
غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں، یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس
میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (سمواؤ اٹلر) جھوک پیاس لگتی ہے۔
اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اس میں بھی حدوث کے تمام عوارض پائے جاتے
ہیں ظاہر ہے کہ یہ بات بجاہت غلط ہے، اور درمیان کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں
رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح
علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انہیں کیوں جھوک پیاس لگتی تھی؟ انہیں
باقی آئندہ صفحہ پر

عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں یہودیوں نے پٹلیں پیلا طلیں کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہو گئی تھی،۔ اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک بپاؤنی اقنوم ابن کو نہیں دہی گئی۔ جو ان کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک انسانی مظہر کے طور پر۔

کیوں رنج اور غم ہوتا تھا؟ وہ دیر غم نصاریٰ (سولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلاتے تھے؟ جب کہ ان کی انسانیت بقول مائرس رلیٹن ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام غراموں سے پاک اور مبرا ہے۔

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں کہ خدا میں پہلے جسے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اس عنصر کا ایک ٹکس انسان میں منتقل کر دیا گیا،۔ حالانکہ اگر کتاب پیدائش کے الفاظ و واقعۃ الہامی میں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کر دیا، اُسے اچھے بُرے کی تمیز بتائی اور خیر و شر دونوں کی طاقت عطا کر دی، خود کو قیود و حدود سے آزاد کر دیا، اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آتے ہیں، سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب ردی سٹی آف ٹھاڈس کے کتاب باب دس میں لکھتے ہیں:

”پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لیے ایک ایسی روح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں و ولایت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہوا اور بند کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے، جنہیں دیکھیں عطا نہیں کی گئیں“ (اگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

مخلوق ہیں نہ،

۱۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی دینے کا قہقہہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ کتاب کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہار الحق کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپ کے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معلومات کی نزق کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برناباس کا خود دریافت ہوا تھا اس میں برناباس نے نہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ ان کی جگہ ہیروداہ اسکر لوقی مصلوب ہوا تھا، ارم نے اظہار الحق کے آخری باب میں بشارات کے بیان کے تحت ایک مبسوط خاکشے میں ارم انجیل کے اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے اس انجیل کے بارے میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے، لیکن حال ہی میں انجیل کا ایک اور خود دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔ انجیل پطرس کا یہ جملہ یسوع مسٹر ٹیر نے اپنی مشہور کتاب "اناجیل اربعہ" (The Four Gospels) ص ۵، مطبوعہ میکٹن نیویارک ۱۹۶۱ء میں نقل کیا ہے، اس کی تاویل اگرچہ اسٹر ٹیر نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے۔ لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغہ مجهول (passive Voice) استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹر ٹیر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ("He was taken off.") (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

صلیب مقدس

چونکہ عقیدہ مصلوبیت ہی کی بنا پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے

اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، — چوتھی صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی ۳۱۲ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزرگمفسر کی) حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۴ مئی کو ایک جشن مناتے ہیں، جس کا نام ہے "قدیانت صلیب" اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائی کا شعار (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرولٹین لکھتا ہے۔

ہم ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر، جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت، کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھے وقت، غرض ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد "کفارہ" کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب

یقیناً شاہیہ سفر گذشتہ

(اس کو اوپر اٹھایا گیا) اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ ان کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے سروغدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ "وہ اوپر ملا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

لے صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۵۲، ج ۴ مقالہ صلیب "سے اخذ ہے،

گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں،

عقیدہ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر اُٹھ اُڑ گئے، دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب گیرانوی نے اظہار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متفاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیل لکھنا بیکار ہے۔

عقیدہ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ "کفارہ" ہے، اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے، اَدل تو اس لئے کہ بقول مسٹر ڈینیئل ویسٹن یہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور نئے لقب سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں اُن کو درحقیقت اسی عقیدے کی تمہید سمجھنا چاہیے، دوسرے اسلئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پرمیڈگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دُور خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے

کو جس طرح چاہا بیان کر دیا، اور ناواقف حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر غلط نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح و کامل نہ کر سکے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں "عقیدہ کفارہ" کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔

و عیسائی علم عقائد میں "کفارہ" سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ

ایک گناہ گار انسان ایک لذت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے

کی پشت پر وہ فرد غور کرنے کا فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان

خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (دبیلا) اسلئے

انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔

کچھ کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھنے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں ہو سکتا، یہ مفروضات ہم نمبر وار درج ذیل کرتے ہیں: ۱۔

۱۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گوڈ سٹ صاحب کا رسالہ "کفارہ" مطبوعہ پنجاب ریجنس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۵۹ء

۲۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ص ۶۵۱ و ۶۵۲ مقالہ "Atonement" ۳۔ ہماری نظر میں عقیدہ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب "The Enchiridion" میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی مباحثیں بہت طویل ہیں، اسلئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کر نیکیے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ ساتھ ہی دیدیا گیا ہے،

(۱) اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انہیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، ان پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انہیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت ان میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے، اور اگر چاہتے تو خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجرۂ ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کمیت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ اول تو اس وقت حضرت آدمؑ کے لئے حکم کی بجا آوری بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی کھلی آزادی عطا کرنے کے بعد ان پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا ان کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل یعنی آسان ہو اس کی خلاف ورزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار ”اطاعت“ کے بجائے ”نافرمانی“ کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی ”نافرمانی“ نہیں کی تھی، اور جس طرح ”اطاعت“ تمام نیکیوں کی جڑ ہے، اسی طرح ”نافرمانی“ تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدمؑ کے گناہ نے یہ ”بنیاد“ قائم کر دی تھی۔

لکھ آگسٹن، دی سٹی آف گڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

لکھ دی سٹی آف گڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۲، ص ۲۵۶ ج ۲،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کبیرت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت سے گناہ شامل ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہ ہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں تکبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے رہنے کے بجائے خود اپنے دائرہ اختیار میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کفر اور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو نہ موت، کا مستحق بنایا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گمراہ کن لڑھکی چڑھی باتوں (کی تصدیق) سے انسانی روح کا اندام خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جس غذا کو چھونا اس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے اس سے زائد کی تمنا کی تھی، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا، اے۔“

(۳) چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بے حد سنگین تھا، اس لئے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدم کو دائمی موت، یا دائمی مذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”شجرۃ ممنوعہ“ کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

”جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا“ (پیدائش ۱۱:۲۲)

دوسرا اثر یہ ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو آزاد قوت ارادی (Free will) عطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انہیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور بُرے کام بھی لیکن چونکہ انہوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:-

”جب انسان نے اپنی آزاد قوت ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے ان پر فتح پالی تھی اس لئے ان کی قوت ارادی ختم ہو گئی، کیونکہ ”جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے“ پطرس رسول کا فیصلہ ہے..... لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزاد ہی اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہو کر نیکی کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا۔“ گویا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کر لیں اس وقت تک کے لئے ان کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کر کے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیکی کے لئے آزاد نہیں ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینیٹلٹس ایجو نیٹس لکھتے ہیں:-

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھائی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کیساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہو گئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعہ

یہ پطرس کے دوسرے خط ۲: ۱۹ کی طرف اشارہ ہے،

Enchiridion XXX P. 675 V.J.

ویسٹی آف گاڈ، ص ۲۵۵-۲۵۶ میں بھی کہیں ہے،

آگسٹائن نے تقریباً یہی بات

بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی ثمرہ تھا جو بدوئے کار آکر رہا ہے۔

(۲) چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے، اس لئے ان کی سرشت میں ”گناہ“ کا عنصر شامل ہو گیا دوسرے الفاظ میں ان کا گناہ ان کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original sin) کہا جاتا ہے۔

(۵) ان دونوں کے بعد جسے انسان پیدا ہوتے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صلب اور پیٹ سے پیدا ہوتے تھے، اس لئے یہ ”اصلی گناہ“ تمام انسانوں میں منتقل ہوا، سینٹ آگسٹائن لکھتے ہیں۔

”اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے واعدا ہو گئے آدمؑ سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدمؑ کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدمؑ کے ساتھ سزا یافتہ تھی،“

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گنہگار کیسے ہوتے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:-

”جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے خدا کی سزا کے

مستحق ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے.....
 اور حقیقت ہم نے آدم سے صرف ”سزا“ وراثت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم ہیں گناہ کا ایک و باقی مرض مبالغہاں ہے، جو آدم سے ہم کو لگا ہے اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انسان کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح شیر خوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا کا استحقاق لے کر آتے ہیں، اور یہ سزا خود ان کے نقص اور تصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے تصور کی نہیں۔
 اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس اکیویناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے ”اصلی گناہ“ ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جسم کے اعضا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔“

(۶) چونکہ تمام بنی آدم ”اصلی گناہ“ میں ملوث ہو گئے تھے، اور ”اصلی گناہ“ ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوتِ ارادی سے محروم ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر ”اصلی گناہ“ کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پستارہ لگ گیا جو ”اصلی گناہ“ کے سبب انہوں نے خود کئے تھے، سہ۔

Calvin, *Instit.* bk. ii. ch. i. Sec. 8, as quoted by the ۱۰

The *Summa Theologica* Q. 81, Art 3, P. 669 V. II ۱۱

www.unity1013.com

www.onlyoneorthree.com

Augustine, *The Enchiridion* XXVII P. 673 V.1 ۱۲

(۷) مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی عذاب کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوت ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے اُن کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوت ارادی کے فقدان کے سبب وہ اُن نیک کاموں پر بھی قادر نہ رہے تھے جو انہیں عذاب سے نجات دلا سکتے تھے۔

(۸) انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کر کے انہیں معاف کر دے، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے وہ اپنے اہل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتابِ پیدائش کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ "اصلی گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ "موت" کی سزا دیئے بغیر انسانوں کو معاف کر دے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا،

(۹) دوسری طرف اللہ تعالیٰ "رحیم" بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانونِ عدل کو بھی بھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، اور پھر دوبارہ زندہ ہوں تاکہ، مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوت ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انہیں دوبارہ حاصل ہو جائے اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے نیا آدمی بن سکیں،

۱۔ ایضاً باب نمبر ۳ ص ۴۵، ۴۶ ج اول،

۲۔ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۴۵۱، ۴۵۲ ج ۲ مقالہ "کفارہ"

۳۔ الگ آئن: وی سی آف گارڈ، ص ۲۵۶، ۲۵۵ ج ۲ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱،

۱۰) لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھائے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو، خدا اُسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں۔

اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے ”بیٹے“ کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی تھی اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے تھے اور پھر یہی بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو نیکیوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر برائی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۱۱) لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت ”بپتسمہ“ کی رسم ادا کرنا ہے، بپتسمہ لینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطے سے اس کا بپتسمہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہذا جو شخص بپتسمہ لے گا

لے لیٹنا۔

۱۲

The Enchiridion L.P. 687 V. 1

Ibid, 60 ch. Lii P. 688 V. 1

۱۳ اس رسم کی تشریح انشاء اللہ آگے آئے گی۔

اس کا اصل گناہ معاف ہوگا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جائے گی، اور جو شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصل گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا،

یہی وجہ ہے کہ ایکونٹیاں لکھتا ہے -

”جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصل گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے۔“

(۱۲) جو لوگ حضرت یسوع علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پائے ان میں بھی یہ دیکھا جاتے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں۔

(۱۳) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لا کر بپتسمہ لیا ہے ان کے لئے یسوع مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کھٹے ہی گناہ کرتے رہیں انہیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصل گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا مستحق تھا، اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصلی گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انہیں ایک نئی زندگی ملی ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر انہوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے، اگر بپتسمہ لینے کے بعد انہوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انہیں ایمان سے خارج کر دے، تو وہ پھر دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ ان کے لئے کافی نہ ہوگا، لہذا چرچ جن لوگوں کو ”نفاق“

(Schism) یا "بعضت" (Heresy) کے الزام میں

پراوردی سے خارج کر دے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔
اور اگر انہوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو وہ عارضی طور پر کچھ عرصہ
کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے
لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام "مطہر" (purgatory) ہے
اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف "گنہگار" ہی نہیں بلکہ گناہ کبیرہ
بھی انسان کو یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب
کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ آگسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے
اور (Enchiridion) میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کی طرف مائل ہے،

اس عقیدے کے منکر | یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ کی حقیقت! عیسائیوں

The Enchiridion LXVII P. 691 V. 1

۱۷

The Ench. ch. LXIX P. 699 V. 1

۱۸

۱۹ عقیدہ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اظہار الحق کے مختلف مقامات
پر بالخصوص تیسرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک
ایک جزو پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں
عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش
نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں
سمجھتے ہیں، جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید ان کو ذہن میں
رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں اچھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ
ذیل ہیں۔

کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے۔

ذیل ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہیے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟

(۲) پھر اس عقیدے میں اصل گناہ کو دوطریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے اُن کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف سوال یہ ہے کہ خدا کے قانونِ عدل میں ایک گناہ دوسرے پر لادنے کی گفالتش کہاں ہے؟ تو رات میں تو ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:

”جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ

اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی

کے لئے ہوگی، اور شر مبر کی شرارت شریر کے لئے“ (حزقی ایل ۲۰: ۱۸)

(۳) کالون نے آدمؑ کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال و بائی

مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اول قویہ مسئلہ ہی محلِ نظر

ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے، یا نہیں؟ پھر اگر اُسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض

ایک غیر اختیاری چیز ہے، اُسے گناہ پر تیس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابلِ سزا گناہ عقلاً و عیناً

ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے،

تو نہ اسے اس پر مٹھون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے، پھر آپ انسان کو اس

گناہ پر کیوں قابلِ سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں؟

(۴) اسی طرح ایکونیاں کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں

گناہ گار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اسلئے

ان میں سے ہر ایک گناہ گار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدمؑ کا وجود اپنی تمام اولاد

سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ کو اس وقت تک گناہ گار نہ کہا جاسکے جب تک کہ

ان کی اولاد کو گناہ گار قرار نہ دیا جائے،

تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غالباً سب سے پہلا شخص کو ایلیس شیس (Coelestius) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے

(۵) اگر آدم کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے، اور اپنی انسانی حیثیت سے ہی انہیں سولی پر چڑھایا بھی گیا تھا۔

(۶) پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو اس کی رضامندی سے (سولی پر چڑھا دینا انصاف کا کیا اقتضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنامی سزا میں سے بچنے کو تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ — حنفی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے،

(۷) یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی قوت ارادی بھی سلب کر لی جائے؟ (۸) کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ قوت میں ہے :

”اگر شرمیر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور

میرے سب آیتیں پڑھ کر حیران ہو جائے اور دوا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ

رہے گا وہ نہ مرے گا“ (حنفی ایل ۲۱۱۱۸)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وحشت

کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ ناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، اسی کتاب کے دوسرے باب میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے،

الفاظ میں پس منظر۔

”آدم علیہ السلام کے گناہ سے صرف آدم ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدم اپنے گناہ سے پہلے تھے۔ لیکن ان نظریات کو کارِ تحقیق کے مقام پر پیشوں کی ایک کونسل نے بدعتی قرار دے دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے جن کا حال انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے۔

عبادات اور رسمیں

عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا طریقے ہیں؟
یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ اس کے

بنیادی اصول عبادت کو سمجھ لیا جائے، مسٹر ریمینڈ ایبا (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول کل چار ہیں:

(۱) ”عبادت“ درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو ”کلمۃ اللہ“ یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی۔

(۲) دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے: ”جس طور سے ہمیں دعا رکھنی چاہیے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا“ (رومیوں ۸: ۲۶)

(۳) تیسرا اصول یہ ہے کہ ”عبادت“ درحقیقت ایک اجتماعی فعل

ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرتا چاہے تو وہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

(۴) چوتھا اصول یہ کہ ”عبادت“ کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ ”یسوع مسیح کے بدن“ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

حمد خوانی

عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف دو طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے۔ — ان میں سے ایک ”حمد خوانی“ کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان ”ناز“ بھی کہہ دیتے ہیں۔

مسٹر ایف سی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز جمع شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین گھرے رہتے ہیں، زبور کے ہر فقرے کے اعتراف پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آتسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے، اتہائی ٹیس کی بعض تحریریں ایسی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے مثلاً

بپتسمہ یا اعطاباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب

میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کار فرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اُسے ”اصل گناہ“ کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اُسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے لہٰذا، جو

لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں شروع میں ایک عبوری دور سے گزرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس مرحلے میں وہ ”عیسائی“ نہیں کہلاتے، بلکہ ”کیٹ چومینس“ (Cate-

chumens) کہلاتے ہیں، اور انہیں عشاءِ ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے لہٰذا،

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یروشلم کے مشہور عالم سائمرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے گمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

”اے شیطان! میں تجھے اور میرے ہر عمل سے و تبرکہ کرتا ہوں۔“

پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لے جایا جاتا ہے۔ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر سے پاؤں تک ایک دم کئے جوتے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ ”ہاں میں ایمان رکھتا ہوں“ اس سوال کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے، اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے،

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسیا میں داخل ہوتا ہے اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے۔
عشاء ربانی عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی میت پر قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے حضرت مسیحؑ نے فرعون سے گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ،
 ”جب وہ کھارہے تھے تو یسوع مسیح نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا، لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکریا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا

جاتا ہے :- (سٹی ۱۲۶ ۲۶)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت یسوع نے
 حواریوں سے کہا کہ :-
 www.only1or3.com
 www.onlyoneorthree.com

میرمی یا دنگاری کے لئے یہی کیا کرو، (لوقا ۱۹:۲۲)

عشار ربانی کی رسم اسی سکیم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں
 کے مشہور عالم جسن مارٹن اپنے زمانے میں اس رسم کو بحال لانے کا طریقہ یہ لکھتے
 ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور
 نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارکباد
 دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو بے کرباب
 بیٹھے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین
 کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے قدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام
 حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے نور اروٹی یسوع کا بدن بن جاتی ہے، اور
 شراب یسوع کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ
 کرتے ہیں۔

جسن کے بعد رسم بحال لانے کے طریقوں اور اس میں اسقلال کئے جانے
 والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی
 ہے کہ صدر مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے
 کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے یسوع کا بدن اور خون بن جاتی ہے،
 اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، مگر اصل لکھتا ہے :-

”جس وقت صدر مجلس دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس، جو خدا

Justin Martyr, Apol. 1, 65 - 67 quoted by F. C. Burkitt.

The Christian Religion P. 149 V. III

کا ایک زندہ جاوید اقنوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انہیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔^{۱۰}

یہ بات عرصہ دراز تک بحث و تحقیق کا موضوع بنی رہی ہے، اگر روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں؟ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے۔

مشار ربانی (Lord's Supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل

نام اور بھی ہیں:

شکرا (Eucharisti) (مقدس غذا) (Sacrament)

اور مقدس اتحاد (Holy communion)

بپتسمہ اور مشار ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں ہیں۔^{۱۱} لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں تسلیم نہیں کرتا، کالون لکھتا ہے:

”ان مذہبی رسوم میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہمارے منجی

نے مقرر کی ہیں بپتسمہ اور مشار ربانی، کیونکہ یوحنا کی حکمرانی میں جو

سات رسمیں بنائی گئی ہیں، انہیں ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔“

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے

کی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر

انداز کرتے ہیں۔

Cyril, Cat. Myst. k. quoted by the Britannica

703 P. 8 "EUCCHARIST"

Calvin, Genevan confession 76, trans. by J.K.S. Reid

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کو منصب نبوت کے لئے چنا تھا، اور اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن علاقہ نے اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو فراعنہ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کر سکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں علاقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی تاہم جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بنیاد پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا ہے، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنالیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیلی ”قاضی“ کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب القضاۃ (Judges) ان ہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے

لے یہ خاکہ بائبل کے عہد نامہ قدیم، اپوکریفا اور پٹانیکیا سے ماخوذ ہے،

”قاضیوں کا زمانہ“ کہتے ہیں۔

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حملوں کا سیلاب
دفع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب
بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی،
جو حضرت داؤد کے عہد تک قائم رہی۔

بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل
تھے اُن سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ
آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر
فرماوے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی دخلالت
پر ان ہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا جس کا نام قرآن کریم کے
بیان کے مطابق طالوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل (۱)۔

سموئیل (۱۱:۱۲) طالوت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس
وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلسطینیوں
کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤد اس کے
مقابلے پر نکلے، اور اُسے قتل کر دیا اس واقعے نے انہیں بنی اسرائیل میں
اتنی ہرولع و میزج عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع
تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤد کے
عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۴۰، ۹
ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اُسے
اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انہوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس
کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر ”یہوداہ“ رکھا، لیکن جب
۹۳۰ ق م میں حضرت سلیمان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رحبعام سلطنت
کے تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی

دینی فتنہ کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا۔ اسی کے زمانے میں حضرت سلیمانؑ کے ایک سابقہ خادم پر بیام تمے بناوٹ کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کر لی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی، جس کا پایہ تخت سامره (Somaria) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا۔ دونوں ملکوں میں رہ رہ کر بستی پرستی کا رواج بڑھنے لگا، تو اس کے سد باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کر دیا۔ اس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کر کے لے گیا۔ بقیۃ الیقین یہودی بھی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، اور عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گزارتے رہے،

بالآخر جب ۵۳۹ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۱۵ ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے۔

اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور ایسا اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کا کافی حد تک کم ہونے سے، لیکن انہیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، ۴۰۰ ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیرِ نگیں رہ کر زندگی گزارتے رہے، ۳۳۲ ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا، اور اسی زمانے میں انہوں نے تورات کا ترجمہ کیا

جو ہفتادویں ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے۔

۱۶۵ ق م میں سوریہ کے باورشاہ انتیوکس اپنی فینس نے ان کا بڑی طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب باب اول) اسی دوران یہود وہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، اور اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھجایا، مکابیوں کی یہ سلطنت سنہ ۱۳۵ تک قائم رہی۔

حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری

مکابیوں کی اس چھوٹی سی سلطنت سے قطع نظر، اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی، ہجیرہ روم کے آس پاس ان کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلا وطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آ بسی تھی، لیکن ان کی اکثریت بابل ہی میں آباد تھی۔ فلسطین کے ایک حصہ پر رومیوں کی حکومت تھی مگر یہ سلطنت روم کے تابع اور ماتحت تھی، یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا، جس کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، اسی اسباب کے باعث یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرۃ ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے جو انہیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصب کرے۔

یہ حالات تھے جب کہ شہشاہ روم آگستس کی باورشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف انابیل ہی وہ چادرگتا میں ہیں جنہیں آپؑ کی حیات طیبہ معلوم کر کے کاواحد ذریعہ کہا

جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن کی حیثیت کسی قابلِ اعتماد نوشتے کی نہیں ہے۔

عیسائیت کی تاریخ | عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتدا امر کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی

جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے۔ تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفوں کے طوفانِ کامقابلہ کرتے ہوئے ہمہ تن دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور بے پے پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انہیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔

لیکن اسی دورانِ ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کو کڑی بالکل موڑ دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جو اب تک دینِ عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا، اپنا تک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس کے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں فخر پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت یحییٰؑ کی آواز سنائی دی کہ ”تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟“ اس واقعے سے متاثر ہو کر میراؤل دینِ عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے۔

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اُسے اپنی براہِ دی میں شامل کر لیا، ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولس رکھ لیا۔

لے اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین ایڈ ایٹیکس کے مقالہ ”عیسائیت“ میں، پی ایس کلرک کی مختصر تاریخِ کلیسا، پادری خورشید عالم کی تواریخِ کلیسا کے مددِ الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے۔

تھا، اور اُس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش وین عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیروؤں میں پولس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور علول و مجسم کے عقائد کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، تواریخ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پولس کی کھل کر مخالفت کی، لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں ہیں لہٰذا اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس ہی کا اثر و رسوخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

دور ابتلا | چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائ مورخین دور ابتلا (Age of persecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں اس عرصے میں عیسائیوں پر سیاسی طور سے رومی تسلط تھا، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انہیں طرح طرح کے ستانے پر مشغول تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد و عبادات ابھی تک مدون نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں، کلیسٹ (مستل)، انشش (م تقریباً ۱۷۰)، پے پاس (مستل)، پو بیکارپ (م ۵۵۰)، آرمینوس (مستل) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں۔ جن کی تصانیف اور لکھتو بات پر

لہٰذا لوقا کی کتاب اعمال جو حواریوں کی واعد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے مذکرے سے بالکل خاموش ہے، کتاب کے دوسرے باب میں پولس کی تحریک دین عیسوی کا نقل بیان آ رہا ہے۔

عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے ،

۳۰۰ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوش گوار سال ہے | **قسطنطین اعظم** اس لئے کہ اس سلسلے میں شاہ قسطنطین اول روم کا

باو شاہ مقرر ہو گیا تھا ، اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا ، اس کے قسطنطینیہ ، صور ، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے ، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دے کر انہیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقت کر دیا ، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف و اکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں ، جن میں عیسائی تکلم عقائد کو باضابطہ مدون کیا گیا ، اس سلسلے میں تیقاؤکا کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے ، جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicæa) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی ، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا ، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا ، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدون کیا گیا ، جو عقیدہ انتہائی شیشیں (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے لے

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدون کر دیا تھا ، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنگناکتے تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصہ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا۔ اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں۔

لے یہاں یہ واضح رہے کہ جو قلم عقیدہ انتہائی شیشیں کے نام سے مشہور ہے ، وہ انتہائی شیشیں کی نہیں ہے ، بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو قلم کر دیا ہے ،

چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ عیسائے اپنے شباب پر تھے، اسی لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین ”عہد مجالس“ (Age of councils) یا عہد

(کہتے ہیں۔

Controversy period

مباحثات) قسطنطین سے گرگوری تک

۳۱۳ء سے ۵۳۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنت

روما پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنت روما کی مقتدر

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلغاریہ، یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سربراہ مذہبی پیشوا بطریق (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیرِ نگیں تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا ”پوپ“ یا ”پاپا“ کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہو گئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی۔

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضا مندی صرف دنیا کے جھیلوں کو خیر باد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس رجحان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانسیس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں، لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا،

چھٹی صدی کا پانچم مصری ہے، پانچم کے بعد باسیلیئوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر ہوتے ہیں۔

تاریک زمانہ ۵۹۰ء میں گرگوری اول پوپ بناتھا، اس کے وقت سے لے کر شارلمین (۷۶۸ء) تک کا زمانہ اس طویل عرصے

کی پہلی قسط ہے، جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانہ" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس نئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اسلام عروج پا رہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق و انتشار کی وبا تین پھوٹ رہی تھی،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دور میں اسلام کا آفتاب فادان کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمان کے زیر نگین آگئیں اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

قرون وسطیٰ ۱۸۴۷ء سے لے کر ۱۵۲۲ء تک کا زمانہ قرون وسطیٰ کا زمانہ (Middle Ages) کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شاہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی، افریقہ، اسی، گاروے نے اس زمانے کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) شارلین سے لے کر گرگوری، مقیم تک کا زمانہ (۱۸۶۳ء تا ۱۸۶۴ء) جس میں پاپائیت فروغ پا رہی تھی،

(۲) گرگوری، مقیم سے بونیفیس تک کا زمانہ (۱۸۶۳ء تا ۱۸۶۴ء) جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

(۳) بونیفیس، ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ (۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۵ء) جس میں پاپائیت کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں، لہٰذا قرونِ وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۱۔ **تفائقِ عظیم** | **نفاقِ عظیم** (Great Schism) تاریخ

عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بناء پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گیا، اور اس نئے اپنا نام بھی بدل کر ”رومی ہولی آرٹھوڈوکس چرچ“ (The Holy Orthodox Church) رکھ لیا، نفاقِ عظیم کے اسباب بہت سے ہیں مگر ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۱۔ اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ

۱۲۔ یہ اور آگے تاریخِ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھنکس ص ۵۸۹ تا ۵۹۶ جلد ۳، مقالہ ”عیسائیت“ سے ماخوذ ہے، تقی

باپ سے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہل مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انہوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے بیقیادی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے۔

(۱۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسل امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی،

(۱۳) جیسا کہ پہلے عرض کیا چکا ہے سلطنتِ روماد و مکروں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

(۱۴) اس کے باوجود پاپا تھے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی قسطنطنیہ کے بطریق کے حوالے کر دے، یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

(۱۵) ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد دہری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دوران پوپ لیونہم (۱۵۵۷ء) نے پہلی بار مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر پھونپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریق میکال نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور یورپ کے سفراء نے سینٹ صفویا کے گرجے میں قربان گاہ پر اناشیا لعنت، کے کلمات نگوہ دیئے، پس اس واقعہ نے گرم لوہے پر آخری ضرب لگا دی، اور اتفاقِ عظیم مکمل ہو گیا،

صلیبی جنگیں | اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں جنہیں عیسائی مورخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گیا تھا، اس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبردست مسئلہ تھا۔ اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رکنا اور مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا چیرا اٹھایا یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب میں موجود نہ تھا۔ لیکن ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے کلیئر مونٹ کی کونسل میں یہ اعلان کر دیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی، پی، ایس کلیئرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اس جنگ میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد و صلعم کی طرح اس نے بھی یہ وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مریں گے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ لہ

اسی طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بڑی طرح شکست ہوئی تھی۔

Clarke, Short History of the Church p. 204

لہ ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے پیر جبریل محمد ابراہیم صاحب کی فاضلانہ تصنیف ”کروسیڈ اور جہاد“، مطبوعہ منہج سائبر اکادمی لاہور ۱۹۸۱ء،

پاپائیت کی بدعنوانیاں

چہارم (۱۲۴۳ء) کے زمانے سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناخاطر زندہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا اس کے زمانے میں مقننات ناموں کی تجارت عام ہو گئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ بلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ یونیفیکیشن نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی جس کے نتیجے میں روما کی سلطنت سے اکثر سال تک (۱۳۰۰ء تا ۱۳۰۶ء) پاپائیت کا بالکل خاتمہ ہو گیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "ایر می بابل"

(کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پھر ۱۳۰۶ء سے ۱۳۱۳ء تک ایک نئی معیت یہ کھڑی ہو گئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدار اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس، اسپین اور نئے پس کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایون پوپ (کہتے تھے اور دوسرا

اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاق عظیم" کہتے ہیں۔

اصلاح کی ناکام کوششیں | جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں

بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی کوشش کی، ان لوگوں میں ویلیفٹ (Wycliff) (متوفی ۱۳۸۷ء) کا نام سرفہرست ہے، جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک و پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی، اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۰ء میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا ساز گار نہ تھی،

پاپاؤں کے افتراق اور "نفاقِ عظیم" کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء میں کونسل میا (Council of Pisa) بلائی گئی، جس میں اسی پیش پتریک ہوئے، اور انہوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے الیگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مر گیا، اس کے بعد ایک بحری ڈاکو جان لبرت دوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤں کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہو گئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۵ء میں کانٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی جس میں "نفاقِ عظیم" کا تو خاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو باتفاق بدعتی قرار دے دیا گیا، اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلا دیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں۔

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم و ستم سے نہ سبک سکی، اس کی تعلیمات سے متاثر ہوئے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا

یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۵۳۱ء میں باسل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ آخر کار ۱۵۸۳ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر

پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے نابوب میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور ہتیمہ اور عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئٹزر لینڈ میں زونگلے (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد

سولہویں صدی کی ابتدا میں جان کالون اسی تحریک کو نئے کرچیں آمیسیں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی، اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری، ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک سے متاثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کی شکل چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا،

عقلیت کا زمانہ اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے

بعد سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پٹری سوز ہی تھیں بیدار ہوئیں، اپاولوں اور پاپوں کی ظلم و دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف

کرنے کی جرات کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لہذا ہر
نئے مرنے والے کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر
نکتہ چینی کی جرات اُسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین "عقلیت"
(Rationalism) کا لغزہ لگا کر اٹھے، انہوں نے اپنی عقیدہ
میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید
طعن و تشنیع بلکہ استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا لغزہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزموعے کو عقل
کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اس بات کو دریا پُر دکر دیا جائے گا جو
ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات
کو غیر باور کیا جائے، جنہیں کلیسا عرصہ دراز سے تقدس کا لباس پہنا کر سینے سے
لگائے چلا آ رہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist)
اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" (Age of Reason) کہتے تھے،

ولیم شکسپئر (۱۵۶۴ء - ۱۶۱۲ء) اس طبقے کا سب سے بڑا
فیڈر ہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا لغزہ لگایا تھا، لارڈ ہبرٹ (۱۵۸۳ء -
۱۶۳۳ء) اور تھامس ہوبس (۱۵۸۸ء - ۱۶۷۹ء) وغیرہ بھی اس گروہ کے
امام سمجھے گئے ہیں۔

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست
برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ دو ٹاٹر (۱۶۹۷ء - ۱۷۰۲ء)
جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے سرے
سے خدا کے وجود ہی میں شک وارتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کلمہ کھلا

خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقید حیات سے ہے۔

تجدد کی تحریک مذہب کے ماتے والوں پر عقلیت کی تحریک کا رد عمل دو طرح ہوا کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدد (Modernism) کی تحریک۔

کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اسے ہر زمانے کے انمشافات اور متضاد تفاسیر کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصوں کو ناقابل اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کے متواتر الفاظ و معنی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر پلین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک (Harnack) اور رینان (Renan) اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں۔

۱۰ عیسائیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھیے اس کا مشہور مقالہ ”میں عیسائی کیوں نہیں؟“ (Why I am not a Christian) ۱۱ ہارنیک کی معرکہ الآ کتاب ”عیسائیت کیا ہے؟“ اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کر کے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ (What is Christianity) کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

احیاء کی تحریک

عقلیت کی تحریک کا دوسرا رد عمل اس کے بالکل برعکس یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خاص طور پر رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی، یہ تحریک (Catholic Revival movement) کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں کے خلاف جنگ شروع کی، اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے بھی مانتی اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سے نئے صاحب اقتدار ادارہ ہونا چاہیئے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک اسیویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مغرب کے لوگ مادیت کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاؤ لیکر لوٹ رہے تھے، مادہیت تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر روح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا۔ احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جا کر رہے جنہوں نے عیسائی دنیا کو تیرھویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر نکس (۱۸۰۹ء - ۱۸۴۴ء)، جان ہنری نیوٹن (۱۸۰۱ء - ۱۸۹۸ء)، ہسپریل فراڈ (۱۸۰۳ء - ۱۸۵۲ء) اور چرچ (۱۸۱۵ء - ۱۸۹۸ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں، عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں و تحریک عقلیت تحریک تجدید اور تحریک احیاء یا ہم بدستور ہیں، اور تینوں کے زمانے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں،

کاش! انہیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جس دلدل میں گرفتار

ہو، اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگزاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے پشکے ہوئے قافلوں نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے، تم پوپ پرستی سے لے کر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزمایا چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمہیں سنبھلنے ہوئے واعظوں کے سوا کچھ نہیں دے سکی، اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہے تو خدا کیلئے ایک بار گیمیا کے اس نئے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "دفارائن" کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوئے والا "فارقلیط" (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلع" کے سینے والوں نے گیت گاتے تھے اور قیدار کی بستیوں نے "محمد" کی سٹی گئے، جس کے قدموں پر "پتھر کے بت" اونٹن سے گرتے تھے جس نے "اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا" بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا ہے، جب تک تم اس کے بتاتے ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس منزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے حقیر کو سکون روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔

یہ مصطفیٰ کبریاں خوشیوں پر اکہ وین ہمہ اوست
اگر یہ اوندہ رسیدی، تمام بولہبی ست

www.only1or3.com

www.anyoneorthree.com



لے استنار ۲۰۳۳ ۲۰۱۷ یوحنا ۱۰:۱۷ ۱۰:۱۷ یسایا ۱۱:۵۲

۱۰:۵۲ یسایا ۱۰:۵۲ یوحنا ۱۰:۱۷ ۱۰:۱۷

دوسرا باب

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ ”عیسائی مذہب“ کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انہیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ ان کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں، اور یہی نیا مذہب ارتقار کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آج ”عیسائیت“ کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پوئس ہے جس کے چوڑا خطوط بائبل میں شامل ہیں۔

پولس کا تعارف | ہم اپنے اس دعوے کے بدلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدائے میں قبیلہ تارسیس کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصل نام ساؤل ہے، فلیپوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے۔

”آٹھویں دن میرا تختہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور فیلیں کے قبیلہ کا ہوں۔
عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔“ (فلیپوں ۵: ۱۲)
اور یہ روم کے شہر کورنٹس کا باشندہ تھا، (عجیباً کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے اُن مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۹: ۱۳ میں ملتا ہے۔ جہاں اس کا نام ساؤل ذکر کیا گیا ہے۔
اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب و روز انہیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اس نے یہ دعویٰ کیا کہ:
”میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی راستے دیتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا ویسا دینا کہ غیر شہروں میں بھی جا کر امنیں مٹاتا تھا،

لہٰذا یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اُس نے اگرا یا دشاہ کے سامنے کی تھی، متقی

اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروا تے گئے کرو مشق کو جاتا تھا، تو اسے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سو درج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرد اُگڑا چکا، سب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل، اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پٹینے کی آپرلات مارنا تیرے لئے مشکل ہے میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچانا رہوں گا۔ جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور تجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور تقدیر میں شریک ہو کر میراث پائیں۔ (اعمال ۲۶: ۱۹ تا ۱۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں "خداوند یسوع مسیح" پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے "پولس" رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برناباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق

کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے -

”اس (پولس) نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یسین نہ آنا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برخاستے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلم میں اُن کے ساتھ آتا جتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل سیودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور عبادتوں کو حجب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور پڑس کوروانہ لکروا، (اعمال ۹: ۲۹ تا ۳۰)

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ بل بل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا، ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

حضرت عیسیٰ اور پولس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و ثبوت پر مبنی ہے، ہم پہلے سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات

میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھٹا تضاد ہے۔

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے سب سے بڑا اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور طرد و کافر قرار دیتے آتے ہیں، اور حقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہے جن سے ان عقائد کی تردید ہوتی ہے۔

تثلیث اور حلول کا عقیدہ | سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، "تین ایک اور ایک تین"۔

اس معنی کو اگر درست اور مدارِ نجات بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تاوقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جاتے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء معنی تو کم از کم انہیں اتنا

تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر نارمن ریلٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) "خدا" کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

"اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجربہ ہمارے ذہن کی قوت سے

مادر ہے، وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں؛ صرف اتنی باتیں

ہمیں معلوم ہو سکی ہیں، جو خود اس نے بنی نوع انسان کو دسی کے ذریعہ

بتلائی ہیں۔"

اس سے واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے ذمے ضروری ہے، اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔

اگر "تسلیٹ" کا نظریہ بھی اسی تفصیلات میں سے نکالنا تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ "خدا تین اقائیم سے مرکب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں"۔ خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے شمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس

اور متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

”اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔“ (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۷)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

”اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدا سے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔“ (یوحنا ۱۷: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہارے گناہوں کو معاف کرتے کے لئے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ”ابن آدم“ کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں سائنٹسٹ جگہ آپ نے اپنے آپ کو ”ابن آدم“ فرمایا ہے۔

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سیکٹروں عیسائی علماء کے حوالے پیش

بقیہ ماشیہ جنو گنشت۔ عیسی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو ”باپ“ اور اپنے آپ کو ”بیٹا“ کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی مجاورہ ہے، بالکل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیحؑ کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۷ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰) اسے صرف ان الفاظ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم، فصل دوم)

کہنے جاسکتے ہیں، مگر ہم یہاں صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو تو مقدس نظریات کے غلاف میں کتنا ہی چھپا جاتے، لیکن وہ کبھی نہ کسی ظاہر ہو کر رہتی ہے، پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتداء میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گذرے ہیں، عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہل تہجد (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان متحکم اور مضبوط ہے، انہوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۷ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں کی تھیں (Das Wesen des Christentums) کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انہوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم ان ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں۔

”قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا، دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ جو قسمی انجیل کا مصنف، جو بلا ہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند

مقام دینے پر مقرر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی ہمیں یہ طریقہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت) مسیحؑ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ: "اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو میرے حکموں پر عمل کرو"۔ غالباً حضرت مسیحؑ نے یہ دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی ان کے پیغام پر عمل کرتے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرتا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپؑ نے فرمایا تھا کہ "جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہو گا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے"۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل متغیرات سے الگ ہو کر (حضرت) مسیحؑ کے بارے میں کوئی عقیدہ بنانا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت) مسیحؑ نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تمہا نیک ہے، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرتے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعا کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرتے کے لئے سخت سے

لے غالباً یہ انجیل یوحنا کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے "جو میں کے پاس میرے علم ہیں اور اُن پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے" (یوحنا ۱۴: ۲۱)۔
 گے یہ منی ۱۲: ۲۱ کی عبارت ہے، لفظی
 www.onlyfor3.com
 www.onlyfor3.com

سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فیصلہ اور سختیاں
منسوب ان کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں۔

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہیں باقی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا
مروڑا نہیں۔ جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا
ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں
جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے
آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ برابر رکھتا ہے کہ
یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں خود
حضرت مسیحؑ کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان
حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت)
مسیحؑ نے کیا کہا، لیکن اپنے بارے میں انہوں نے جو دو لفظ استعمال کیے
ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا، اگر
ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان
لفظوں سے (حضرت) مسیحؑ کی مراد کیا تھی؟ آئیے

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ خدا بن اللہ کے منصب کے حقیقی معنی
کیا ہیں؟ حضرت مسیحؑ نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح
کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد مسیحؑ کی
انجیل میں موجود ہے، اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں
ہے، اور وہ یہ کہ ”کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو
نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے“

۱۔ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں۔ "This is what Gospels say, and it
cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working,
باقی اُندہ صوفیہ

..... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو اپنے ”خدا کا بیٹا“ ہونے کا جو احساس متادہ اس بات کے عمل نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ خدا کو ”باپ“ اور ”اپنے باپ“ ہونے کی حیثیت سے مانتے تھے لہذا اگر ”بیٹے“ کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی مسرت کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت) مسیحؑ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے مانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں مانتا تھا، اس معنی میں (حضرت) مسیحؑ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے ”اے آگے چند صفحوں کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں۔

”جس انجیل کی تبلیغ (حضرت) مسیحؑ نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہے بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی ”عقلیت پسندی“ () ہے، بلکہ یہ ان حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں۔“

پھر چار صفحوں کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

”The struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men“ (What is Christianity PP. 129, 130)

یہ یہی متی ۲۶: ۱۱ کی عبارت ہے، تفسیر۔

حاشیہ صفحہ ۱۲۸ = Harnack, What is Christianity PP. 128, 131
trans. by Thomas Bailey Saunders. New York 1912
Ibid P. 147

خدا انجیل ہمارے سامنے اس زندہ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے ،
یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے ،
اور تنہا اسی کی مرضی کی پیروی کی جائے ، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت)
مسیح کا مطلب اور مقصد تھی ۔

ڈاکٹر ہارٹیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد
یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانت داری کے ساتھ انجیلیوں کا
بائبل لیا گیا ہے ، تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے
اپنے بارے میں ایک ”خدا کا بندہ“ اور ”پیغمبر“ ہونے کے سوا کوئی اور بات
نہیں کہی ، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلیوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے
ان کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی ”اقتوم“ ہونا ثابت ہوتا ہو ،

حضرت مسیح حواریوں کی نظر میں | حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ

ان کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی ”تثلیث“ یا ”تعلیل“
کا کوئی تصور نہیں ملتا ، بائبل میں حضرت مسیح کے لئے ”خدا“ کا لفظ ان کی طرف ضرور
منسوب ہے ، لیکن یہ لفظ ”آقا“ اور ”استاد“ کے معنی میں یہ کثرت استعمال ہوا
ہے ، انجیل کی کسی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح کو
”استاد“ کے معنی میں ”خداوند“ اور ”رب“ کہتے تھے ، انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح
علیہ السلام نے فرمایا :-

”مگر تم ربی نہ کہلاؤ ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے ، اور تم سب صابی
ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو ، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے

ہو آسمانی ہے لئے اور نہ تم ہادی کہلاؤ۔ کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی

ہے یعنی یسوع (متی ۲۳: ۸، ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیحؑ کو ”ربّی“ یا ”خداوند“ کہتے تھے، وہ ”استاد“ اور ”ہادی“ کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور الہ کے معنی میں نہیں، لہٰذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدہ تثلیث یا عقیدہ حلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارات ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ ایک پیغمبر تھے، اور بس! حضرت پطرسؑ حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

خدا کے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا، جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو۔“ (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے اگر عقیدہ تثلیث اور عقیدہ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرسؑ کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت ”یسوع ناصری“ کو ”ایک شخص“ کہنے کے بجائے خدا کا ”ایک اقنوم“

لے اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو ”باب“ کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھئے، رموز مملکت ٹولش خسرواں داندو

کہتے، اور ”خدا کی طرف سے“ کہنے کی جگہ صرف ”خدا“ کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث و حلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے، اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں۔

”ابراہیم اور احناف اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو بلا لیا“ (اعمال ۱۲: ۳) اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:-

”کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو سچ کیا، ہیرودیس اور پنطیس، پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے“ (اعمال ۱۴: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنیا س حواری فرماتے ہیں:-

”دلی ارادے سے خداوند سے پٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا“ (اعمال ۱۱: ۲۳، ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مومن کہا گیا ہے،

یہ تمام عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح علیہ السلام کو ”ایک شخص“ اور ”خدا کی طرف سے“، پیغمبر اور انڈکا ”دخاوم“ (یعنی بندہ) اور ”یسوع“ سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لے کر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ان کی صریح عبارتیں موجود ہیں،

لہذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت

اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پوس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے :-

”اُس (یسوع) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پسٹ کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی، اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت مرتبہ کیا، تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گنہگار کے اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کر کے کہ یسوع مسیح خداوند ہے“ (فلپیوں ۲: ۶ تا ۱۱)

اور کلیسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے :-

”وہ (یسوع) دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا اُن دیکھی، تخت ہوں یا ریائیں، یا حکومتیں، یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں“ (کلیسیوں ۱: ۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے :-

”کیونکہ الٰہیت کی ساری سموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے“

(کلیسیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت یسوع کے لئے ”خداوند“ اور ”رَبّی“ کے الفاظ کو استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا والاں کی روشنی میں ”استاد“ کے ہیں، لیکن کہیں اُن کے لئے ”الٰہیت“ یا ”مجسم“ کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پوس ہی کے یہاں

میتا ہے۔

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ ملول اور تجسم کا عقیدہ

انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
 ”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا۔“

(یوحنا ۱: ۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

”اور کلام تجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“

(۱۵: ۱)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجسم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا وزنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف مانتے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل دروہ بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آریوس (م ۳۲۵ء) آریجن (م ۲۵۴ء) کلیمنٹ رومی (م ۲۵۰ء) اور مورخ یوسی بیس (م ۱۵۰ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۱۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے -

”جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت یہ ہے کہ ایسے گوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا ہیجو تھا جو ۱۶۵ء کے تک جبکہ چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے مرتضیٰ کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا اثر تھا کہ سیٹھ ایچ فائیس نے ۳۳۷ء میں اسے ایک طوائف مذکورے کا مستحق سمجھا جو باقی تین انجیلوں کو ماننا تھا، جو مٹا سلی اور موثنیست فرقوں کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بشپ نے اس کا نام ”ابوئی“ (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا، اگر انجیل یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیل یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟ یقیناً نہیں۔“

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات

سے واقف ہے سہ، لیکن یوحنا بن زبدي حواری اُن پڑھ اور نادان واقف تھے،
(جیسا کہ اعمال ۱۳: ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ
اس کا مصنف کسی بڑے صاحبِ رسوخ و اقدارِ خاندان سے تعلق رکھتا
تھا۔ حالانکہ یوحنا بن زبدي حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت
تھے، سہ علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین
انجیلیوں سے تضاد رکھتی ہے، اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے۔
اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آریوس ہے
اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ وقتِ نظر اور
ترتیب کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اس جیسی بعیت سی وجہ کی بنا پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے، اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں،

لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو میں محترم ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں ان کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہو گئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبیدی سوامی نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (JOHN THE ELDER) ہے۔

چیمس میک کٹن لکھتا ہے :

یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرمینوس نے جس کی حقیقت پسندی

[illegible]

۵۷ دیکھئے ۱۸ : ۱۵ : ۱۴ : ۱۳ : ۷ : ۵ : ۱۹ : ۳۸ : ۷ : ۱۵ : ۱۱ : ۱۲ : ۱۰ وغیرہ

ملک بڑھانیکا، ص ۸۳، ج ۳۱ مقالہ: درجیان،

اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا

www.only1or3.com

جے لے،

www.onlyoneorthree.com

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری صاحب تصانیف عیسائی علم افریح
ڈکین برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

”پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ ”انجیل چہارم مقدس یوحنا

رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی ہے۔“

اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے

کے لئے تیار نہیں کہ انجیل چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدی

رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریے کے خلاف نظر آتے ہیں،

انہوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے

کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو بھتی انجیل کا مصنف ”یوحنا رسول“

نہیں تھا، انہیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس

سوال کا جواب بھی انہی کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے۔

وہ جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبدی رسول

نے لکھا ہے کہ وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیت کے قائل

نہیں، اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ انجیل چہارم تواریخی واقعات

سے مترا ہے، اور اس کے مکالمات مصنف کے اپنے ہیں۔

From Christ to constantine P. 119. London 1936

۱۹۴۰ء قدامت و اصلیت انجیل اربعہ میں ۱۳۱ جلد دوم پنجاب ریلیجی بک سوسائٹی

۱۹۴۱ء ص ۲۵۱

ہن کو وہ کلمۃ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے لہ

گو یا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبیدی سوارسی کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت خطرے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرتے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ ”یوحنا بزرگ“ کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ نے باوکل آخر میں انہیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا لہٰذا یوحنا بزرگ نوجوان، پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوق گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور انہی باتوں کا اظہار انہوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے، یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی سیاسی دنیا میں قبول عام حاصل ہے اور جس کی بناء پر انہوں نے یوحنا سوارسی کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے،

لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے، تو ان کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بیشمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے وہ شاگرد جس سے یسوع محبت

کرتا تھا، کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل رابع کا مصنف ہے (۲۴: ۲۱)

حضرت مسیح علیہ السلام سے اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں :-

» اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا

یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھائے بیٹھا تھا « (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے :-

» اس نے اسی طرح یسوع کی چپاق کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند

وہ کون ہے ؟ « (۲۵: ۱۳)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح

علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چپیتے اور محبوب

تھے کہ انہیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی — جب

حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے

کہ حضرت مسیحؑ نے انہیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ

بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہود وہ اس کے لائق جیسا شخص جو بقول اناجیل

چوتھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیا (لوقا ۲۲: ۴)

وغیرہ وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہوا، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف

شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام

کے عروج آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت

مسیح علیہ السلام کے فراق میں اس کا کیا حال ہو گا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ

حواریوں میں شامل نہ ہو؟

لے یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے

اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہے (دیکھئے متی ۲۶: ۲۱، مرقس ۱۴: ۱۸، لوقا ۲۲: ۲۱،

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزویک حضرت مسیحؑ کی مکمل سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے، جن میں مریم، مریحہ، لعزرا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلیوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے۔

پھر اگر ”یوحنا بزرگ“ کے نام کا کوئی شاگرد ”یوحنا حواری“ کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین ”یوحنا زبدی“ اور ”یوحنا بزرگ“ کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدی اور یعقوب بن حلفی، اس طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکرلیوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انہیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو غلط ملط نہ کرے (دیکھئے متی ۲۰: ۱۰ و مرقس ۱۶: ۷، ۱۴، ۱۵، ۱۶، اعمال ۱: ۱۳) اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں کے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر ”یوحنا بزرگ“ نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمان کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں کے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائی دیکھا، انکا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگزشت پائی جاتی

ہے، لیکن اس کتاب میں بھی ”یوحنا بزرگ“ نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مسیحؑ کے عروج و آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہو گئی تھی، کیونکہ انجیل یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا۔ (یوحنا ۲۱: ۲۲) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو ”یوحنا بزرگ“ کو یوحنا بن زبیدی سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا، یہاں تک کہ پولیکارپ (POLYCARP) اس کا شاگرد بنا،

بے شک قابل انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا رہا وہ جلد جو انجیل یوحنا کے بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

”یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔“

(یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جلد انجیل یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر و لیٹ کلاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطہ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

”ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۷ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کر کے دیکھا جائے

تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں غالباً یہ الفاظ افسس کے ہزرگوں کے بڑھادیئے گئے نہ۔

عہد حاضر کے مشہور مصنف ایشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی تائید کرتے ہیں نہ، اور یہی وجہ ہے کہ دو آیتیں نسخہ سینائی (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں نہ۔

لہذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے۔

مذکور بالا اشارات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدي حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پولس یا اس کے شاگرد سے علم حاصل کیا تھا۔ اور بقول مفسر "ولیت کات" افسس کے ہزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھادیئے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان قناسطی فرقوں (Gnostics) کے خلاف حجت قائم کی جاسکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور

Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 430.

Mackmillan, New York 1961

see *Belief in Christ* p. 106.

The Four Gospels p. 431

لکھ بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود پولس کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھیے مقدمہ انجیل برناباس از مید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ)۔

یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی ہیں، عہد حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ طہین اسٹریٹ اپنی فائنل تصنیف، "اناجیل اربعہ" (The Four Gospels) میں کتنی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:-

”لہذا اگرچہ سنی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قریب قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس انجیل کے مصنف کے بارے میں اس نقطہ نظر کو منوایا جائے، جس سے اُس زمانے کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری صدی عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانام آگے بالاختصار بیان کریں گے،“

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ ”یہ وہی شاگرد ہے.... جس نے ان کو لایا ہے...“ اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک اور اختلافات پائے جاتے تھے۔ لہذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محل تعجب نہیں ہے کہ

انجیل یوحنا اور یوحنا کے خطوط کسی پولس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا جو جن سے مصنف کا حضرت مسیح کا یقینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن خالص رجحان پسندانہ عیسائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے حزن و غم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بکین کا یہ خیال ہے کہ چوتھی انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا۔ اور اگر بہت زیادہ حزن و غم سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطہ نظر اختیار کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر:

”یے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ شخص ایسا تھا جس نے خداوند کو دیکھا تھا، اس نے خداوند سے یروشلم میں شتائی حاصل کی ہوگی (۱-یوحنا ۲: ۱) لیکن شاید وہ خداوند کو دیکھنے سے کچھ حاصل نہ کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین عید فصح کے موقع پر یروشلم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اس عجم میں شریک ہو جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے

تھے، اس صورت میں سترہ کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو گا، یوحنا کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے، جو ایکسا ہی پیراگراف میں ”بھائیو“ کے الفاظ سے گذر کر ”میرے بچو“ کا لفظ استعمال کر سکتا ہے (۱: ۱، یوحنا، ۳: ۱۳، ۱۸)۔ یہ آخری حکم (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی شکل ہی سے لکھ سکتا ہے۔۔۔۔۔ لہذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ یوحنا بزرگ تھے یہ انجیل ستر اور سترہ کے دوران کیسے لکھی تھی، جب کہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی۔

نتیجہ | یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطہ نظر میں جو کچھ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوڑ کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

(۱) انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے۔

(۲) یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،

(۳) یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح علیہ السلام کو صرف دیکھا تھا ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

(۴) یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے

دیکھا،

(۵) وہ یروشلم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا۔

(۶) حضرت مسیحؑ کے بعد ۹۵۰ تک اس کا کچھ سال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟

(۷) ۹۵۰ کے لگ بھگ سترہ سال کی عمر میں اس نے انجیل پڑھنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدہ ملول و تجسم کو بیان کیا گیا۔

(۸) بعد میں انیس کے ہزرگوں نے انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ ٹپڑھا دیا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدي حواری، یا حضرت مسیحؑ کا کوئی محبوب شاگرد ہے۔

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود عیسائی علماء انجیل پڑھنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انہیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان نتائج کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ناقابل انکار طریقے سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں۔

(۱) ملول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے۔

(۲) اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا، جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح علیہ السلام کو صرف دیکھا تھا ان سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،

(۳) جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس

کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا؟ کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟ اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

(۴) یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستر سال تھی اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گزر چکے تھے، ۱۰۰ء

(۵) چون کہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدہ ملول و تجتم اپنے خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدہ کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے، بلکہ پولس ہے،
www.onlyfor3.com
www.onlyoneorthree.com

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ ملول و تجتم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پولس نے پیش کیا ہے، آئیے اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی ”عقیدہ کفارہ“ کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکل ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈیوئیل و سن عیسائی مذہب کی جمان ہے، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے، بپتسمہ اور عشاء ربانی کی رسمیں

۱۰۰ء کو نہ مورخین مخفی طور پر پولس کا سن وفات ۹۵ء کو قرار دیتے ہیں۔

بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں، دوسری طرف اس عقیدے کی پشت پر جو فلسفہ ہے وہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے، لہذا آپ کا خیال شاید یہ ہوگا کہ اناجیل اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بیوت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھتے ہیں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظام فکر کی بنیاد ہوتی ہے۔ وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں عیاں یا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور انہی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً اسلام کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے،

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدہ تثلیث اور حلول و تجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں۔ عقیدہ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا۔

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:-

۱۱۔ ”اس کے بیٹا ہو گا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ

وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا“ (متی ۱۶: ۱۶)

(۳۰) ”فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لئے ایک مینٹی پیدا

ہوا ہے، یعنی مسیح خداوند“ (لوقا ۱۲: ۱۱)

(۳۱) ”کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے“ (لوقا ۳۰: ۱۲)

(۳۲) حضرت یسحٰ نے فرمایا: ”ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے

اور نجات دینے آیا ہے“ (لوقا ۱۹: ۱۰)

(۳۳) ”ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ

خدمت کرے، اور اپنی جان بہتروں کے بدلے فدیہ میں دے“

(متی ۲۰: ۲۸ و مرقس ۱۰: ۴۵)

(۳۴) ”یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتروں کے لئے گن گنوں کی معافی

کے واسطے بہایا جاتا ہے“ (متی ۲۶: ۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال

کیا جاتا ہے،

ان جملوں سے زائد عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں

میں نہیں پائی جاتی، مشکل یہ ہے کہ اس وقت عقیدہ کفارہ اپنی ترقی یافتہ

شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن بیدار اسی عقیدہ

کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق

کو ناچاہتے ہیں تو مقوڑی دیر کے لئے عقیدہ کفارہ کی ان تمام تفصیلات

کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باپ میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد

خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھیے، کیا ان جملوں کا یہ احساس

مطلب یہ نہیں نکلتا، حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں جھٹکنے

والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں،

اور جو لوگ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انہیں ہدایت کا یہ حارسہ دکھا کر انہیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہیے ہیں، خواہ انہیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں بروا شرت کیوں نہ کرنی پڑیں؟

”اپنی جان بہتیروں کے لئے خدایہ میں دے۔“ اور یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے پہنایا جاتا ہے۔ اگر پہلے سے عقیدہ کفارہ کا تصور ذہن میں سمجھا ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے ان کی قوت اراومی سلب ہو گئی تھی، اور اسکی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ہر شیخوہ بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنوم ابن لے چھپائی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہو گئے؟

سہ رہی کتاب یسعیاہ ۵۳: ۱ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سورہ ان سب جملوں سے زیادہ بخل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

لے خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے، جو بیان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیابا کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ صادق کی صداقت اسی کیلئے ہو گی، اور شریک شریک شریک (۲۰: ۱۸)۔

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مستفاد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انہوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کی مانند کیوں نہیں کھجایا؟ جب کہ وہ دین کے قیاد میں عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی،

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام — بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے جلسے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدم کا اصلی گناہ قوم پر تسلط تھا، اس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کر لی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انہیں عذاب نہیں ہوگا — حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شہرہ سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انہوں نے ان سے یہ پیچیدہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سا وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، حیاتی تاریخ کے بائبل ابتدائی دور میں کوآیلین شیپس (Coetstins) کا کہنا یہی تھا، مگر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہ نجات پائے جانے کے قائل تھے: (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالہ: کفارہ)

ایب لارڈ (Abelard) کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا

مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت ہمدردی اور تہمتی کا ایک مکمل سبق ممتی (بحوالہ مذکور)

یہ لوگ تو وہ ہیں جو لبرلزم کے زمانے سے پہلے عقیدہ کفارہ کے منکر تھے پھر لبرلزم کے دور میں اور اسکے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہو گیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے،

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی حملے سے عقیدہ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا بیدار اور صاف مطلب کچھ اور ہے،

اب حواریوں کی طرف آیتے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدہ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدہ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پولس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے،

”پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور

گناہ کے سبب سے موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں

پھیل گئی، اس لئے کہ سب نے گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے

جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ

محبوب نہیں ہوتا، تو بھی آدم سے پھر موسیٰ تک موت نے ان پر بادشاہی

کی جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گناہ

نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں کیوں کہ جب

ایک شخص کے قصور سے بہت سے آدمی گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی، اور یہاں ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا، بخشش کا دلیبا حال نہیں کیونکہ ایک ہی کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ مسیح کا حکم تھا مگر بہت سے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھہرے کیونکہ جب ایک شخص نے قصور کے سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور راست بازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے۔۔۔۔۔ کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فراموشی سے بہت سے لوگ راست باز ٹھہریں گے۔ (رومیوں ۵: ۱۲ تا ۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا ہتھیار لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا ہتھیار لیا، پس موت میں شامل ہونے کے ہتھیار کے وسیلے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلے مردوں میں سے جلا یا گیا، اُسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں۔۔۔۔۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پورانی انسانیت اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔“ (رومیوں ۶: ۴ تا ۶)

”یہ کفارہ“ کا بیعت وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب

میں تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں، یہ عقیدہ پولس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے کا بانی بھی ٹھہرتا ہے۔

تورات پر عمل کا حکم | عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہو گا کہ اس کے بعض خاص

خاص احکام کے بارے میں بھی یہ تحقیق کر لی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پولس نے اس میں کیا ترمیم کی؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ انجیل میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل ممتی میں ہے۔

”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کر کے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین مل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ملے گا۔“ (متی ۱۷: ۱۵)

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

”جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو، کیونکہ تورات میں اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔“ (متی ۲۳: ۷)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل اور قابل احترام مانتے تھے، لیکن پولس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال سے معلوم ہو گا، گلیٹیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مولے کو شریعت سے چھڑایا۔“ (گلیتوں ۱۳:۳)
اور آگے لکھتا ہے:

”ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استا و بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم ابتداء کے ماتحت نہ رہے۔“ (۲۳:۳ تا ۲۵)
اور فیلیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”اس نے جسم کے ذریعے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کر دی۔“ (فیلیوں ۱۵:۱۲)
اور کیرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:
”اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضروری ہے۔“
(کیرانیوں ۷:۱۲)

اور آگے لکھتا ہے۔

”کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا۔“ (۷:۸)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

”جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پورا کرنا ضروری تھا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے۔“

ان تمام اقوال کے ذریعہ پولس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل

لے واضح رہے کہ بائبل میں ہر ملکہ شریعت (The Law) سے مراد تورات ہوتی ہے۔

ختم کر دی، اور اس کے ہر حکم کو مٹا کر ڈالا،

عشاء ربانی

عشاء ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم بنانے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پولس نے وضع کیا ہے، (کرنقیوں ۱۱: ۲۳) اور لوقا چونکہ پولس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پولس کی تقلید کی ہے۔

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں،

”اگر آپ عشاء ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ ”میری یادگاری میں بھی کیا کرو۔“

تختہ کا حکم | تختہ کا حکم حضرات ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے:

”اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے، اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرد نذرینہ کا تختہ کیا جائے۔۔۔ اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہو گا، اور وہ فرد نذرینہ جس کا تختہ نہ ہوا ہو، اپنے

لوگوں میں سے کٹا ڈالا جاتے، کیوں کہ اس نے میرا عہد توڑا

(پیدائش ۱۷: ۱۴ تا ۱۵)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

”اور آٹھویں دن (۷) کے کاغذ کیا جائے“ (احبار ۱۲: ۳)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی قتلہ ہوا تھا، جس کی تصریح انجیل
لوقا ۲۴: ۲۱ میں موجود ہے، اس کے بعد حضرت یسوع علیہ السلام کا کوئی ارشاد
منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ قتلہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لیکن اس کے بارے میں پولس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس
کے خطوط کو دیکھئے، گلیٹیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے۔

”دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم قتلہ کو آزاد گئے تو یسوع

سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا“ (گلیٹیوں ۱: ۱۵)

اور آگے چل کر لکھتا ہے۔

”کیونکہ نہ قتلہ کچھ چیز ہے نہ نامحلول، بلکہ نئے سرے سے

خلوق ہوتا“ (۱: ۴)

۲۔ تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے
اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و احکام حضرت یسوع علیہ
السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انہیں پولس نے وضع کیا ہے، تسلیت حلول
مختتم، کفارہ، تورات کی پابندی، عشار ربانی اور نئے قتلہ کے تمام نظریات
کا بانی وہی ہے۔

اگر صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ پولس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے، تو ہماری نگاہ میں یہ بات عین قرین انصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کر دیئے جاتیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پولس کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پولس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے تاہم کتاب اعمال، خود پولس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت مہیا کرتی ہیں، جنہیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عرب کا سفر | پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پولس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعالیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اسس نظر باقی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گزارتا جنہوں نے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دن عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے، www.onlyfor3.com، www.onlyoneorthree.com، لیکن پولس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس تیرہ و شلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلیتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے: ”جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا“ اور اپنے فضل سے بلایا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو تجربہ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ تیرہ و شلم

میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب لے چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا۔ (گلیتوں ۱: ۵، آتا ۱)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی بیٹھے!

”جلد ہی اُسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خاموش اور پرسکون فضاء میں رہنا چاہیے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا.....“

اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے

کی روشنی میں شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے گا۔ اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فائنل کتاب ”یسوع سے قسطنطین تک“ میں لکھتے ہیں۔

”اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد..... وہ عرب (بظہیر) چلا گیا، جس کا مقصد ابابہ تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متفہمات پر غور کرے، اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع یسوع کے بارے میں جو روایت تھی اس کے بارے میں مشورہ

لے و انچ رہے کہ یہاں عرب سے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں تو سفا عرب کہہ دیا جاتا تھا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال)

۱۷۔ برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال،

کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے عبا ئی یعقوب سے ملاقات کر لئے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال کا طویل عرصہ الگ تھلک رہ کر کیوں گزارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی کہ جنہوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض اٹھایا تھا؟ — کیا اس کا صاف جواب اوپر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل وہ اپنی اس تنہائی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنہیں اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی (قبول برٹانیکا) ”نئی تعبیر“ کرنا چاہتا تھا، اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پرسکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی، اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسجیم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پولس کے ایک مشہور عیسائی سوارجنگ رالیٹ جے فوکس نے جیکسن پولس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں۔

”پولس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کبھی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل اندازی نہ کرنی چاہیے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنمائی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں رہے تو پولس کے اس طرز عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اس نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے

James Mackinnon, *From Christ to Constantine*, London,

Longmans Green 1936 p. 91

F. J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London,

1933 P. 129

مسیحی روحانیوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا
 منہ بولنے کے بجائے براہ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا جائے
 لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے؟ آخر اس کی
 دلیل کیا ہے کہ یسوع مسیح ان کی ان میں تقدس اور رسالت کے اس مقام
 بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو کھنڈ
 کے لئے کسی خواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی
 طریقے سے وہ یقیناً ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے
 میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ کچھ پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس
 طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے
 بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل
 تو ہونی چاہیے کہ اُسے براہ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم
 دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دین عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی
 ہے۔ — جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نردعوں کی
 اس لائق ہے کہ اس کی تیار پر دین عیسوی کی بالکل کاپی لپٹ دی جا

پھر اگر حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک "اقتلانی رسول"
 آیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں
 دی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے بقول انصاری (عبد بنی کوسٹ کے مؤرخ پر ترویل روح القدس

لے یہاں مسیحین یسوع کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو خوشخبری میں نے
 سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور مجھے سکائی
 گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔ (دکھائیوں ۱: ۱۱-۱۲)
 اسے مقابلہ کیے کتاب اعمال، باب ۱۰، اور انال ۱۰: ۱۱

کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پولس کے رسول بن کر اُنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پولس کے ساتھ حواریوں کا طرز عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر پولس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دین عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا؟ اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے ہماری تحقیق یہ ہے کہ پولس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دین عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں اُن کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصورات پر مصر میں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے۔

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے صرف دو ذریعے ہیں، ایک خود پولس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پولسی اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیق حال کے لئے بہت محدود ہیں تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے ثانوی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید اور سنگین اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پولس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ سکے،

پولس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو صاحب پولس کے نظر یاقی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پولس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہوگا۔

”اور یوسف نامی ایک لاوی تھا، جس کا لقب رسولوں کے برنباس یعنی تصویت کا میثار رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اُس کا ایک کھیت متا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی (اعمال ۴: ۳۶، ۳۷)۔“

اور یہ برنباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی، اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے ورنہ ابھی تک حواریوں کا اس بات کا یہ یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں۔
 ”اور سب اس سے (پولس) چبے (اور تے تے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اسی طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اس نے اس سے باقی کہیں، اور اُس نے دشت میں کیسی ویری کے ساتھ یسوع کے نام سے شادی کی (اعمال ۹: ۲۷، ۲۸)۔“

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرضہ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے، اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰-۱۲ و ۲۵ و ابواب ۱۳، ۱۴، ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

”یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند

یسوع مسیح کے نام پر شہادت کر رکھی ہیں۔“ (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرہویں باب تک برناباس اور پولس ہر معاملے میں تھیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہتے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، لہذا لکھتے ہیں۔

”مگر پولس اور برناباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سنکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پولس نے برناباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا وہ پھر آج میں چل کر مہاتپوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برناباس کی صلاح سنی کہ یوحنا کو جو سرقس کہا جاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پھوکیہ میں کنارہ کو کے اس کام کے لئے اُن کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، لہذا ان میں ایسی بحث ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برناباس عرض کوئے کر جیاز پر کچھ دن کو روانہ ہوا، مگر

پوٹس نے سیلاس کو لپٹ کر لیا، اور سبائیوں کی طرف سے خداوند کے
قتل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہوا سوریہ
اور کلیکیہ سے گذرا، (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں لفظ ہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان
کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پوٹس اس
سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری راستے ہیں اس شدید اختلاف کا سبب صرف
اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ
بنیادی اختلافات کی بنا پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ
ذیل ہیں۔

۱۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف"، اور "جدائی"، کو
بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور
پر سخت ہیں، مشرعی، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں
لکھتے ہیں۔

۱۲) اب لوقا ایمانداروں کے ساتھ دونوں رفقاء (پوٹس اور برنباس)

کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا

ہے، جو لفظ اس کے استعمال کیا ہے یعنی (Parakosmos)

وہ جو برا سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم (کنگ جیمس ورژن) نے

اس لفظ کے ترجمے میں لفظ SHARP (تیز، سخت)

کا اضافہ بالکل درست کیا ہے، — پوٹس اور برنباس ایک دوسرے

سے جدا ہو جاتے ہیں — یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان

کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو برا سخت ہے، اور عام طور سے

استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف

مکاشفہ ۶: ۴ میں ملتا ہے جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہوتے

کا ذکر ہے ۱۷

کیا آتش دید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو ہے۔ اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو یا نا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ویرینہ رفاقتوں کو خیر باد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اس مقصد کے لئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقع پر پولس کے بعض مستقیدین کنایتہ برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ہیں کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار (یوحنا مرقس) کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پولس کی رفاقت کو قربان کر دیا ہے، لیکن وہ پولس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے "کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک" تھا اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی و ثلثی ساری سختی (اعمال ۱۷: ۳۰-۳۴) کیا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو قربان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پولس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پولس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے، اور پولس کے شاگردوں کو قاتل اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی رو سے اگر

Blacklock, Commentary on Acts, edited by R.V.G.

۱۷ *Texts*, pp. 118-161

۱۸ *Loewenich, Paul, His Life and work*, trans. by G.E.

London, 1960 Harris,

۱۹ *Ibid* p. 50

الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پولس اس الزام سے بچ جاتے؟
 (۲) پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت
 کو گوارا کر لیتا ہے چنانچہ تلمیحات کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:
 ”مرقس کو ساتھ لے کر آیا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے
 کام کا ہے۔“ (۲- تلمیحات ۱۱: ۱۱)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس
 کا رشتہ کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ
 تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح لانا) (افسیوں ۱۰: ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت
 کا حامل نہیں تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا۔
 لیکن یہ پورے عہد نامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا
 کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے، سہ
 سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی
 کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی؟

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی تادمی کے
 اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا۔
 اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے، جس سے دونوں کے اختلاف
 کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلیٹیوں کے نام اپنے خط
 میں پولس لکھتا ہے:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

لے اس کے بعد صرف ایک جگہ (کرتھیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی برائی کے
 کرتا ہے، اور بس، مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں رہتے،

اور لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا، تو میں نے ردیمود ہونکر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو سختوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پکڑا گیا۔
(گلیتوں ۲: ۱۱-۱۳)

اس عبارت میں دراصل پطرس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد ردیمود و شلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، ردیمود و شلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انہوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں ”یہودی مسیحی“ (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christian) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ تختہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انہیں ”دعوتوں“ بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ ”تختہ“ وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ اُن کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پطرس اس معاملے میں سو فیصد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،
اور ہم نے گلیتوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اسمیں

پولس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے کہ انہوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے محنتوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو حقہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹر سن اسمتھ لکھتے ہیں:

”پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یہ وٹلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پُرانے ملاقاتی تھے، لہذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے عیسائی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرتے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا کرنے میں اُسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔“

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یہ وٹلم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوئی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لہذا نئے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ ہی میں بیان کئے ہیں۔

لہذا یہ بات انتہائی قریب قیاس ہے کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمعصری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس نے حیات و خطوط پولس ص ۸۸، ۸۹ مطبوعہ ۱۹۵۲ء پنجاب ریجنس کپ موسیقی لاہور،

اپنے مریدوں کے لئے خفۂ اور موسمی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالتے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا،

چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹرین سمجھ بھی محسوس کرتے ہیں۔ کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، وہ لکھتے ہیں،

”برنباس اور پولس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور

اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ وقت دور ہو جاتی

ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گزرتا ہے، کہ ان کے درمیان

کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔“ (حیاتیات و

خطوط پولس ص ۸۹، ۹۰)

گویا سٹر اسمتھ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پولس اور برنباس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

یروشلم کونسل | البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں

بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یروشلم میں جمع ہو کر باجمعی مشورہ

کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان

لانے کی دعوت دی جائے اور انہیں موسمی شریعت کے احکام کا پابند نہ

بنایا جائے اس فیصلے میں پولس کے علاوہ بطرس، برنباس اور یعقوب

بھی شریک تھے۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بطرس اور برنباس اس بنا پر پولس سے

اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام فقہ وغیرہ کو واجب

العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباس کا مسلک پولس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یروشلم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر مذنی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یروشلم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پولس اور برنباس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ یروشلم کے مقام پر عواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام ان پر سرے سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے توراتیت کے بعض جزوی اور فروعی احکام مثلاً ختنہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس دور سے دین عیسوی پر ایمان نہیں لا رہے تھے کہ ہمیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انہیں یہ سمجھا دیا تھا کہ آخر وہی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختنہ کرانا اور تورات کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ ہوتا لکھتے ہیں۔

”پھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر عبادیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسوی کی رسم کے موافق تمہارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے۔“

ظاہر ہے کہ یہ تعلیم غلط معنی، فتنہ وغیرہ کے جزو وی احکام اگرچہ دین موسوی اور دین عیسوی میں واجب تھے، لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انہیں مدارِ نجات قرار دیا جاسکتا تھا، آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے فتنہ کمرانا پڑے گا۔ تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض فتنہ نہ کمرانے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کریں گے کہ وہ شخص دین اسلام سے کیسے غریب ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ایسے مواقع پر اس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ فتنہ کا حکم ضروری ہے، مگر مدارِ نجات نہیں ہے، اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کر لو، اور اس کے لئے ہم تم سے فتنہ کمرانے کی شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فتنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ”اَہُوْنُ اَبْلَقْتَنِ Minor evil“ کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچایا جائے۔

ہن بھی طرزِ عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یہوشلم کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی تو باتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر تعمیرِ قومیں فتنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انہیں اجازت دی جائے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دین عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لا کر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جناب پطرس کی اس تقریر سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے جو انہوں نے یہوشلم کے اجتماع میں کی تھی، انہوں نے کہا تھا۔

”پس اب تم شاگردوں کی گردن پر ایسا بھار رکھ کر جی کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم، خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم گویقین ہے کہ جس طرح وہ خداوند یسوع مسیح کے فضل ہی سے نجات پائیں

اسی طرح ہم بھی پائیں گے (اعمال ۱۵: ۱۰-۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تورات کے بعض فروعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خود ہم اور ہمارے آباؤ اجداد پوری طرح عمل نہیں کر سکے، لہذا اگر اس کے باوجود ہم مومن اور نجات کے امیدوار ہیں، تو غیر قومی بعض فروعی احکام کو چھوڑ کر مومن اور نجات کی امیدوار کیوں نہ بن سکیں گی نہ؟

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہوشلم کو نسل کا موضوع بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟" بلکہ موضوع بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟" — ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکام تورات کے فی نفسہ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں سواربیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکئی ہیں تو انہیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفا کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، ان کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

"مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو اپان لاتے تھے ان میں سے بعض

لے درندہ اگر لپٹس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں، تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جائیں، کیونکہ لپٹس نے جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کیلئے ناقابل برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی ناقابل برداشت کہا ہے، لہذا،

نے اٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) نقشہ کرانا اور ان کو موسمی کی
شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے۔ (اعمال ۱۵: ۵)
اور اس کے جواب میں جب یعقوب..... نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو
انہوں نے کہا کہ :

”پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع
ہوتے ہیں، ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لکھو بھیجیں کہ بتوں کی
مکروہات اور حرام کاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور
مہو سے پرہیز کریں۔“ (اعمال ۱۵: ۱۹ تا ۲۱)
اور اس کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں
کہا گیا کہ :

”ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور
جو چیزیں ہوں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو
اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو،
اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت
رہو گے، والسلام۔“ (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے
تورات کے احکام کو قطعی طور پر فسخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت
کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت
دی تھی، پادری، جی، ٹی میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

”و ایسی چیز انہیں (برنباس اور پولس کو) یہ معلوم ہوا کہ آج
کل اس سوال پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن
شرائط پر کلیسیا میں پورے طور پر شریک کیا جاسکتا ہے،

انٹاکہ میں یہ رواج تھا، اور پولس اور برنباس نے اپنے بشارتی
 سفر میں اسی اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں
 کی طرح کلیسیا کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جاتا تھا،
 اور ان کے لئے شہادت کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں
 میں ہو ا کرتی تھی)، اور نہ ہی انہیں موسوی شریعت کی رسوم کا پابند
 ہونا پڑتا تھا، لیکن یروشلم کی کلیسیا کے زیادہ کٹر یہودی سچی اس بات
 پر مصرختے کہ یہ شرائط ان پر ضرور عائد کی جائیں، پس یروشلم کی کونسل میں
 انٹاکہ کے مندوبین بھیجے گئے، پولس اور برنباس ان کے پیشوا
 تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط غیر یہودی نو مریدوں
 پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں میں راہ ورابطہ پیدا
 کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات ضروری قرار دی
 گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور
 گلا گھونٹنے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کریں، اور کہ وہ
 موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں۔

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات
 بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر
 یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کر دیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دین
 عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی جائے،
 یہ تھا حواریوں کا اصل موقف، جس کا اعلان یروشلم کونسل میں کیا گیا
 تھا، لیکن اس کے بعد حبیب برنباس اور پولس انٹاکہ پہنچے، تو پولس نے

لے جی، ٹی میٹل، ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ۔ جے۔ ایس۔ امام الدین دستگیر کے، اہل
 تامل، ص ۲۵، مطبوعہ مسیحی اشاعت خاندان فیروز پور روڈ، لاہور،

حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے احکام ایک لغت تھے، جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں لہ، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

ظاہر ہے کہ پولس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دین عیسوی کو بالکل تلمیٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنیاس نے پولس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پولس نے اس طرح کیا ہے کہ:

”لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) اتفاقاً میں آیا تو میں نے رو برو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملائت کے لائق تھا، اس لئے کہ یقوتہ کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور گذرہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر رہا کاری کی، یہاں تک کہ برنیاس بھی ان کے ساتھ رہا کاری میں پڑ گیا۔“ (گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

اور اسی واقعہ کے متعلق بعد برنیاس نے پولس سے ناراض ہو کر اس سے جوابی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنیاس نے جو پولس کی مخالفت

گلتیوں کے نام خط

کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ پولس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو تمام تر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں

بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی، جس کی بنا پر گلیتہ کے لوگ پولس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلیتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب العمل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد وجوہ سے پولس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پولس کے چوتھے خط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے تھے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی عوامی کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہ راست بذریعہ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پولس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کیلئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

در اس زمرہ دست خط کے معنی کی وجہ یہ بھی کہ بعض یہودی

مافی سیحیوں نے اس انجیل کے یہ حوالہ کیا تھا جو پولس نے گلیتہ کی کلیسیاؤں کو پہنچائی تھی، ان جموعے استاویوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پولس مناوی کرتا ہے، وہ یہی زندگی میں صرف

لے واضح رہے کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین یا مذہبی نظام ہوتا ہے،

پہلا قدم ہے۔ نومرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۳: ۱۲)۔۔۔۔۔ وہ پولس پر الزام لگانے لگے تھے کہ وہ بے اصول اور تقالی کا بیگن ہے، بخود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نومریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ بھی ایسا کریں، ان کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پولس کے اختیار کو یہ کہہ کر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اول الذکورہ صورت میں پولس پر توقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل سے گفتی نومریدوں کی اکثریت منفرت اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پایا۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے: "یہ تو پولس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرتے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پولس کی انجیل کو یسودی قوانین سے ہم آہنگ ہونا چاہیے، اور جس طرح قدیم اور اصل حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے عقیدہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلا یا گیا تھا کہ مسیح کی سچائی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے تنہا مباشرت راستہ تو راست پر عمل کرنا ہے، جو تمام نومریدوں (converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ ان کے لئے بھی جوئیت پرستی سے عیسائیت کی طرف

آئے ہیں ،

یہ دخل اندازی کو نیا سے قدیم کلیسیا کی ”یہودی مسیحی جماعت“ سے تعلق رکھتے تھے ، انہیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر تورات کو خارج کیا گیا تو کلیسیا کے اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے ، ان لوگوں کی چند دریاں یسوع کی پارٹی کے ساتھ تھیں ، بسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۵ میں نظر آتا ہے ،

بظاہر ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے لے
ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے
ہیں -

(۱) کلیسیا میں پولس کے مخالفین کلیسا سے قدیم کے ممتاز افراد تھے ،
(۲) ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسوی میں بغیر ختنہ کے داخل
ہوئی ہیں ، یہ ان کا پہلا قدم ہے ، مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور شریعت
کے تمام احکام ضروری ہیں -

(۳) یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسوی کی تشریح و تعبیر کا حق صرف
حواریوں کو پہنچتا ہے پولس کو نہیں ،

(۴) ان لوگوں کے خیال کے مطابق ”قدیم اور اصلی حواریوں“
کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پھیل
کرنا ضروری ہے ،

اس سے صاف واضح ہے کہ پولس کے متعارضین کا اصل اعتراض یہ
تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے ، اور آسے اس بات کا حق نہیں
پہنچتا ، لہذا اگر حواری اس معاملے میں پولس کے ہم خیال ہوتے تو اس کیلئے

جواب دہی کا یہ صراحتاً یہ تھا کہ وہ یا تو خود کو فی خط لکھنے کے بجائے چاروں
سے لکھواتا، جس میں وہ پولس کی حمایت کا اعلان کرنے، یا اگر خود ہی لکھنا
منا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہم خیال ہیں، اور وہ یروشلیم
کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے عقدہ وغیرہ ضروری
نہیں ہے،

لیکن وہ گلیتیوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے
یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے ہم خیال ہیں، اس کے بجائے وہ یہ
دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا
ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہ راست
وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے:

اے بھائیو! میں تمہیں جانتے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے
سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں
پہنچی اور نہ مجھے سکسانی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا
مکاشفہ ہوا، (گلیتیوں ۱: ۱۱-۱۲)

بلکہ آگے چل کر وہ علی الاعلان پولس کو در مقامت کے لائق "اور
جربناس کو دریا کار" قرار دیتا ہے (۱۲: ۱ تا ۱۳) اور اپنا سارا زور یہ ثابت
کرتے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،
اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پولس گلیتیوں کو خط لکھ رہا
ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہے تھے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم
پر یہ کہہ کر ساری بحث ختم کر سکتا تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،
اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک
گلیتیوں کے نام پولس کا خط یروشلیم سے پہلے لکھا گیا ہے لہٰذا اور چونکہ اس

کو نسل سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطہ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پولس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا، لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلیتوں کے نام خط یروشلم کی مجلس سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پولس لکھتا ہے:-

”لیکن جب کیفا (پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا“ (۱۱:۲)

اس میں پولس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلم کو نسل کے بعد کا ہے، جیسا کہ اسی سیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:-

”گلیتوں ۱۱:۲ میں پولس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یروشلم کو نسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تغذیہ کا اظہار کیا ہے“

اس کے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یروشلم کو نسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پولس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یروشلم کو نسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لونی ویک اور جے پیٹرسن اسٹمبر نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں اور اس

لے برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱۰، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلیتوں کے نام خط یروشلم کو نسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالہ بالا)

لے حیات و خطوط پولس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ اور (Paul, His Life and

جیل کے تیور بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یروشلم کونسل کے بعد کا ہے اس لئے کہ پولس پطرس کو قابل ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طریقہ عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہوتا کہ غیر قوموں کو موسمی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے، تو پولس اُسے آسانی سے قابل ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جیلے کا صاف مطلب یہی ہے کہ پطرس نے یروشلم کونسل میں پولس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پولس نے اُسے قابل ملامت قرار دیا، لہذا لازماً یہ یروشلم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلیتیوں کے نام خط میں پولس پطرس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلیتیوں کا خط بھی یروشلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے، لہذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماء متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے جسے جی، ٹی سینٹی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں قریباً اسی وقت اس علاقہ (گلیتہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا جب روم کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہو گا۔“

نتائج

مندرجہ بالا بحث کے یہ باتیں پاپیہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں۔

- (۱) ہرنیاس اور دوسرے توارپوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق کی تھی کہ وہ صحیح معنی میں دین مسیحی پر ایمان لا چکا تھا
- (۲) اسی بناء پر عرصہ دراز تک ہرنیاس پولس کے ساتھ رہا،

(۱۲) پھر برہنہ اس نے اس سے جو جہاد فی اختیار کی اس کا سبب نظر پائی اختلاف تھا،

(۱۳) یروشلیم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے فتنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دین عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہو گا۔

(۱۵) لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گالٹیوں ۳: ۱۲)، اور اگر تم فتنہ کراؤ گے تو یسوع سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہو گا، (گالٹیوں ۱: ۵) "تو پولس اور برہنہ اس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی (گالٹیوں ۲: ۱۱)"

(۱۶) حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہو گئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گالٹیوں کے تمام خط لکھا،

(۱۷) اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرتے ہوئے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دین عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گالٹیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

(۱۸) یہ خط یروشلیم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یروشلیم کونسل کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواری اس کے مخالف ہو گئے تھے اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر

نہیں کیا۔

(۹) پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، (کیونکہ جی، ٹی بیسلی کی تصریح کے مطابق کلیتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے) اس لئے تلبیث و حلول و تبسم، کفارہ اور تورات کی موعظی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انہیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

جدائی کے بعد | آئیے اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباؤ پولس سے اس سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتاب اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتاب اعمال اُن کا کچھ حال بیان نہیں کرتی۔ دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباؤ کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے،

برنباؤ مرقس کو لے کر بذریعہ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جاری رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دُھند چھا جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ برنباؤ جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (یوحنا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟ اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برنباؤ

پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا۔ اور اسکے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دین عیسوی میں جو تحریکات کی ہیں ان سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ ہر گز میاں ایسی نہ بنیں کہ پولس کے شاگرد انہیں ذکر کرنا پسند کرتے،

انجیل برناباس | یہ عقلی نتیجہ تقریباً واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

”اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آرمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، یسوع کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، تختہ کا انکار کرتے ہیں، جس کا اللہ نے ہمیشہ کی حکم دیا ہے، اور ہر جنس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جسکے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر انوس کے ساتھ اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات نکھر رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ۔ اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے۔۔۔۔۔ اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ (برناباس: ۱: ۱۲)“

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصہ دراز تک چھپانے اور مٹانے

کی بڑی کوششیں کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلانیس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا جرم سمجھا جائے گا، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی نگھی ہوئی ہے۔

کیا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سراسر پوپس کے نظریات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں، فبائی حدیث بعدہ یؤمنون؟ -

پولس اور پطرس

برناباس کے ساتھ پولس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پولس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پولس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟ جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انہیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انہیں تمام حواریوں میں

لے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ص ۳۵۱، ۳۵۲ مقالہ برناباس، جیمیز انسائیکلو پیڈیا ص ۱۹۴، ۱۹۵ مقالہ جیکوٹس اور قدسہ انجیل برناباس از ڈاکٹر غلیل سعادت مہر میس، ۱۹۷۷ء اس کتاب کے آخر میں ایک مستقل مضمون میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل تعارف کر دیا ہے اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے وہاں پراس کا مطالعہ کیا جائے۔

سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے،

(۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پولس ہم خیال نظر آتے ہیں لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگذشت بیان کرنے سے ایک بیک خاموش ہو جاتی ہے، اور اس میں آخری باب ۲۸ تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جس میں ایک کتن لکھتے ہیں:

”یروشلیم کی کافر نس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات

www.only1or3.com

سے غائب ہو جاتا ہے۔“

www.onlyoneorthree.com

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

”کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلیم کونسل سے متعلق

ہے، جس میں اس کے خیر قوموں سے متعلق نہایت وسیع المشرقی

کی پالیسی اختیار کی تھی۔“

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا؟

اس سوال کا جواب بھی گلیتیوں کے نام پولس کے خط کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پولس کہتا ہے:

”لیکن جب کیفا (یہ پطرس کا دوسرا نام ہے) انطاکیہ میں آیا تو
میں نے رو برو ہو کر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ علامت کے
لائق تھا۔ (کلیتیوں ۱۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یروشلم کونسل کے متصل
بعد کا ہے، لہذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلا کہ یروشلم کونسل
تک چونکہ پطرس نے پولس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے
پولس کا شاگرد لوقا اپنی کتاب اعمال میں اس کے اس زمانے کے حالات
تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ
گئے، اور وہاں پولس کے خود ساختہ نظریات کے مدیب ان کا پولس
سے اختلاف ہو گیا تو لوقا نے ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے،

(۲) ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ
میں اس اختلاف کے پیش آ جانے کے بعد پطرس نے بھی برنباس کی
طرح پولس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، اور انہوں نے بھی پولس سے
الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دین عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ
کی جائے، اس کی تائید پولس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے
مگر تخیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے :

”مجھے خلوص گمراہوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑے ہو رہے

ہیں، میرا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پولس
کا کہتا ہے، کوئی اپوس کا کوئی کیفا کا کوئی یسح کا۔ (اکبر تخیوں

(۱۲: ۱)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کیفا (یعنی پطرس) نے
اپنی الگ جماعت بنالی تھی، جو پولس کی جماعت سے ممتاز تھی،
اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑے ہو رہے تھے، انسائیکلو پیڈیا

برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

۱۔ ”کرنٹیوں ۱۲:۱ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنٹس میں

کیفا (پطرس) کی ایک جماعت بن گئی تھی۔“

یروشلم کوئل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اُس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس کے اصل دین عیسوی کو پولس کی تحریفات سے بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہے وہ سارا پولس کے معقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے اور زیادہ تر باپلیون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آرمینیوس، کلیمنٹ اسکندری اور ترو لین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، اگرچہ یوسی میں اور حیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں رہے۔ ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ترو لین کا کہنا ہے کہ انہیں شاہ میرو نے شہید کر دیا تھا، اگرچہ کہتا ہے کہ انہیں اٹالیکا کر سونی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۵۲ و ۶۵۳ ج ۱۷ مقالہ پطرس)

پطرس کے خطوط | یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پطرس کے دو خط

شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً ان نظریات کا اظہار کیا ہے

جو پولس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں ٹومیاس تک لکھا ہے کہ:
 ”ہمارے پیارے بھائی پولس کے بھی اس حکمت کے موافق
 جو اُسے عنایت ہوئی تمہیں یہی لکھا ہے“ (۲۔ پطرس ۳: ۱۵)
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور پطرس میں کوئی اختلاف
 نہیں تھا،

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود
 عیسائی محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف
 درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے ہیں جس کا نام پطرس تھا
 یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہے،
 جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلو
 پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں :-

”بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین
 ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی
 تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱: ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵
 اور ۱: ۵ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گزر رہے تھے
 انہیں ملائیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔۔۔۔۔ یہ
 تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پطرس نے ٹراجان
 کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا
 ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس
 کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے“

آگے انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید
 دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس کا نہیں ہے،

تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ سیلی یا رمنظر عام پر آیا، یا ڈیوس مین کے خیال کے مطابق ہو سکتا ہے کہ ایشائے کوچک میں لکھا گیا ہو لہٰذا

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود محقق عیسائی علماء اس خط کو پطرس کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں، لہٰذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پطرس پطرس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوب اور پولس،

حضرت یحٰیہ علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا۔

(۱) یعقوب بن حلفی، انہیں یعقوب الصفر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے (متی ۱۰: ۴۱) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں، وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پورے عہد نامہ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

(۲) یعقوب بن زبیدی، یہ یوحنا سحاری کے بھائی تھے (متی ۲۱: ۲۰)

لے اٹھ بیگلو پٹر یا پٹر یا نیکا، ص ۴۴، ج ۲، مقالہ "Peter. Second Epistle of" جیمس میک کنن نے بھی ان خطوط کو حشہ قرار دیا ہے:

لیکن انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیرودیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۱۲) لہذا ان کو اپنی زندگی میں پولس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

(۳) یعقوب بن یوسف بخاری جنہیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) ان انجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے (دیکھئے مرقس ۳: ۲۱، یوحنا ۵: ۴۱) یا تو آخر وقت میں ایمان لائے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پولس حضرت مسیح علیہ السلام حیات ثانیہ کے موقع پر انہیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۴) اور کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں

یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انہوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انہوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوں کے لئے تختہ وغیرہ کو دین عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہے، کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے سامنے پابندی کے قائل تھے، مسٹر جیمس میک کٹن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”در رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشرقی کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوب تختہ کے مطالبہ سے دست کش ہوئے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا..... اس کے اثرات

اٹنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی..... "غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے" باز رہے نہ۔"

نیز ایک اور موقع پر یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"یوسیفس کے مختصر نوٹ اور کچھ بیس کے نسبتاً طویل تذکرے

سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوب کے بچپن اور یکساں کردار

اور تورات کی پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے۔"

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال میں یعقوب

کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوب نے پولس کو تورات

کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین

کی ہے (اعمال ۲۱: ۲۰ تا ۲۶)

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی

ہے کہ یعقوب ان نظریات کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پولس نے بعد

میں اختیار کر لئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوب کی طرف منسوب ہے سوس

کے بارے میں جیسے ایک کتن لکھتے ہیں:

"دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف

یعقوب ہے۔"

یوحنا اور پولس

پطرس اور برنباس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنا

دوسرے سواروں

یہ تو وہ حواریں تھیں جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، اُن کے علاوہ جو دوسرے حواریں ہیں اُن کے حالات اُن سے زیادہ پردہ ناز میں ہیں، اُن کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پولس سے اُن کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جن میں میک کنن لکھتے ہیں:-

”بارہ سواروں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی،..... روایات اُن میں سے مختلف حضرات کی طرف کال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں..... یوسسیس (۱۲) کہتا ہے کہ تو مارشیا چلے گئے تھے، جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمال تو مائکی رویت یہ ہے کہ وہ مصر اور بحر ہند کے راستے میدے سے انڈیا گئے تھے،... (۳۶۵ ف) اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے، و اعمال برتلمائی، اور اندراؤس اس کا ایشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے، تداؤس ربینی یہوداہ تداؤس (اڈیسہ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط و کتابت کی تھی، اور وہاں انہوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دین عیسوی کا پیر و بنایا“

آگے فلپس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں:-

”دیہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص

افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ تو یا اور برہنہ کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے، لہٰذا

نتیجہ | اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:-

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو کو وہ تھے جو یروشلم کو نسل سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے یعنی یعقوب بن زبدي (اعمال ۲: ۱۲) اور یہوداہ اسکریوتی (اعمال ۱: ۱۸)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوب بن حلفی، تو ما، برہنہ، یہوداہ تدادوس، اندراؤس، فلیس اور منی،

۳۔ باقی تین حواریں ہیں سے برنباس اور پطرس کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کو نسل کے بعد پولس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بناء پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا بن زبدي رہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں بھی ہم عجیبے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباس کی طرح یروشلم کو نسل کے بعد وہ بھی اپنا گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حواریوں نے پولس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دین عیسوی کی تحریک کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کو نسل

کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلیٹیوں کے نام خط میں (جو پولس کا پہلا خط ہے) اُن نظریات پر مجھے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اُس سے جدا ہو گئے۔

اس لئے کتاب اعمال میں یروشلیم کونسل کے حالات تک پولس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شہر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہے، کہ حضرت مسیح کے حواری حضرات، پولس کے نظریات تثلیث، تجسم اور کفارہ وغیرہ میں اس کے ساتھ متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پولس ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعہ پولس نے دین عیسوی میں ترمیم و تحریف کر کے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی موثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھپا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو کر رہ گیا؟

جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت

بازرگانی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی سامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزور کھنڈال، بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا۔

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں۔

(۱) پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہو گئی تھی، جب اُس نے یروشلم کو نسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکل مشورخ کرتے کا اعلان کیا تھا، انہی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلیتوں کے نام اپنا معرکہ الآراء خط لکھا تھا، انا سیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، یہ مخالفت کرتے والے قدیم کلیسا کی یہودی سچی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کو رہے تھے۔

(۲) یہ مخالفت پولس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جیمز میک کنن لکھتے ہیں:

”یہ سمجھنا غلط ہے کہ پولس یا انجیل یوحنا کے مصنف کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور با اثر معیار بنے ہوئے تھے اگرچہ یہ درست ہے

۱۔ دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۳۳ و ۱۳۴، بحوالہ برٹانیکا، ص ۹۱، ۹۲، ۹۳۔

۲۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پولس کا بالکل ہم خیال تھا۔

مگر پولس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرتے ہیں لگا رہا ۔
 اور بالآخر جو سنی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و برہن
 حاصل کر لیا ، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک
 چرچ کے اخلاقی مذہب نے یہودیت جلد پورے خیالات کو نکال باہر
 کیا تھا ، اور دوسری صدی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو ماننے
 والے موجود تھے ، وہاں اس کے مخالفین بھی پاتے جاتے تھے ، پولس
 نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا ، وہ عوامیوں کے زمانے میں بھی
 کبھی طرح صحیحی تصور نہ تھا ۔

(۳) دوسری صدی عیسوی کی ابتدا میں آریئوس ، ہپولیتس ،
 ایپی فانیس اور آریجن ایک فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی ...
 (Nazarian) اور ایونی (Ebionites)
 فرقہ کہا جاتا ہے ، مگر جسے ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں :-

”یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے ، اور پولس کو رسول
 تسلیم نہ کرتے تھے ۔“

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ ”کار آریئوس سے نقل کر کے
 بیان کرتا ہے :-

”ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے ، جسے مجرات
 دیئے گئے تھے یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے
 کہ وہ موعوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا ، اور یہ لوگ

خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ تختہ پر بھی
منسوبی کے ساتھ کار بند تھے، ۱۷

(۴) پھر تیسری صدی میں پال آف سموٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے
جو ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریق رہا ہے، اندازہ کیا جاسکتا
ہے کہ اس کے تاثرات، کس قدر مہوں گے یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی
میں یوسین اور آریوس مستقل مکاتب فکر کی صورت میں اس کی تائید
کرتے نظر آتے ہیں،

(۵) پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے
تو ملیٹ کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا
تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم
تواریخ سے ہوتا ہے عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:-
”ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اٹھ کھڑے ہوتے
جو تمام ترمذی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک مہایت المناک
مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے پائیں، اس لئے کہ اس وقت کلیسا
پر زمانہ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا
تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک چھت کے
نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف
برسرِ پیکار تھے، لیکن نیزوں سے نہیں، بلکہ زبانوں سے، ۱۸

۱۷ برٹانیکا، ص ۸۸۱، ج ۷، مقالہ ۲

۱۸ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۵۲ اور اس کے حواشی،

سے Theodoret, quoted by James Mackinnon, From Christ to

Constantine ch. 14

سینٹ اگسٹائن نے اپنی کتاب On the Trinity میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریوس کافر قہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۱۶۱ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اول توجہ میں ایک گننہ لکھتے ہیں:-

”یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، کل تین سو اہل شپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی۔“

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورس لکھتا ہے:-

”جوں ہی آریوس کا فارمولہ کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اسے فوراً بھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دے دیا گیا۔“

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیسے ایک گننہ کے الفاظ میں سنئے:-

”انتہائی شیس کی پارٹی کو چونکہ شاہی و باؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد و ایذا رسانی، جبر و استبداد اور

مذہبی اظہار رائے پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی
فتح ہوئی ۛ

جیسی میک گنن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے
کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتے
رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح یقینی کوئٹل کے فیصلے کو
ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے زور انہیں ٹھنڈا
کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفتیں دھیمی پڑ گئیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی
تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور
اُس وقت تک کثیر تعداد میں باقی رہے جب تک کہ حکومت نے
انہیں زور ختم نہیں کر دیا،

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود | **آخری زمانے میں**
عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کرتے
ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس کو عیسائیت کا بانی قرار
دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید
کرنے پر مجبور ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے۔
(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے
ہوئے کہا گیا ہے کہ:

”مصفین کا ایک مکتب فکر جس میں سے ڈیو، ریڈ (W. Wrede)

کو بطور مثال ذکر کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کسی بھی انتہا

سے پولس کا منکر نہیں ہے تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے

کہتا ہے کہ پولس نے عیسائیت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا

دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس ”دکلیسانی عیسائیت“ کا بانی

ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ”یا تو یسوع کی اتباع کرو یا پولس کی“ ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولسی مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ کفارہ اور سچی کے ابدی وجود سے متعلق بعض قوہم پرستانہ تصورات کو شامل ہے، بلکہ ... یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمام تر متصونانہ روش جو اُسے ذریعہ نجات و کفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی ان تعلیمات سے متناقض ہے جو انہوں نے خدا اور انسان کے صحیح رشتے سے متعلق پیش کی ہیں۔

(۲) اور پولس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر وون لووینچ (۲) لکھتا ہے :-

”پال ڈی لاکارڈ سے کہتا ہے کہ پولس کو جو واقعی طور پر اپرا ہیتم کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی ”فریسیوں کا فریسی“، غما، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابلِ اعتناء و علم مطلق نہیں تھا، لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انہیں پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہیے۔“

آج بھی کلیسا اپنے ”پولسی ورثے“ کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پولس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، ... یہ پولس ہی تھا جس نے یہودی قربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے

ساتھ در آمد کیا، اُسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا، یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیئے، جو ہر چند کہ یہودی تھے، مگر اول تو یہودی انداز میں پولس کی بد نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک متمیم شدہ اسرائیلی مذہب کا خدا کی بیسی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے۔

(۳) لی گارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لوئی وینیک لکھتے ہیں۔

”دعوتِ حاضر میں پولس کے بیشتر مخالفین انہی خطوط پر سوچتے ہیں جو لی گارڈے نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پولس کے درمیان پایا جاتا ہے، ... اُس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصلی تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا۔“

(۴) اگرچہ خود لوئی وینیک پولس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چیمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں۔

”اس نے (یعنی پولس نے)، عیسائیت کو ٹکڑے ٹکڑے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالق بن گیا، جو یسوع کے نام پر بنے۔“

نیز آگے چل کر ایک جگہ لوئی وینیک کہتے ہیں۔

”اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کاتناقی مذہب نہ ہوتا۔“

Loewenich, Paul, *His Life and work* trans. by G.E. Harris

London P. 5

Ibid P. 6

Ibid P. 71

۱۷

۱۸

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لرنی دینک کے نزدیک یہ پولس کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے قرینیت کہتے ہیں۔

(۵) مسٹر جیمز میک کنن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مورخ ہیں، اور انہیں کسی طرح بھی پولس کا مخالف نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ مکمل گمراہ اعتراف کرتے ہیں کہ:

”پولس کا اندازِ فکر اس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح

نہیں ہوتی کہ اس کا یہ اندازِ فکر مسیح کے اندازِ فکر سے پوری طرح

مطابقت رکھتا ہے، بیسویں صدی کے بارے میں جو

تصور تھا وہ پولس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے“

اس لحاظ سے پولس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم مسیح سے

براہِ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے۔“

(۶) پولس کے ایک اور سوانح نگار جیکبسن جو پولس کے حامی ہیں،

پولس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:-

”اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر مسیح نہ

ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی۔“

(۷) ۱۹۵۲ء میں امریکی سے (The Nazarene Gospel Restored)

کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ کرٹیس“

(Robert Graves) اور جو شواہد پوڈرو (Joshua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤرخ الذکر ایک مشہور عیسائی لیسٹپ کالرڈ کا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پوڈس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پوڈس نے بڑی طرح بگاڑ ڈالا تھا، اور اس بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اہل حواری اس سے ناراض تھے۔

ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت، "مشتے نمونہ از خرد ارے" کی ہے، ورنہ اگر پوڈس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پوڈس ہے۔

اسید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمام تر پوڈس کی ایجاد ہے، اس بنا پر اس مذہب کا صحیح نام "عیسائیت" کے بجائے "پولسیت" ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

www.onlyfor3.com

www.onlyoneorthree.com

بے شمار شہادتیں شہادتیں شہادتیں شہادتیں شہادتیں

انجیل برناباس

یہ بات ثواب علمی و نیاسی دھکی چھپی نہیں رہی کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، وہ دنیا سے مفقود ہو چکی ہے، اس وقت جو کتابیں "انجیل" کے نام سے مشہور ہیں، ان سے مراد حضرت عیسیٰ کی سوانح حیات ہے جسے مختلف لوگوں نے قلمبند کیا ہے اور اس میں آپ کی تعلیمات کا ایک مباحثہ پایا جاتا ہے۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف شاگردوں اور حواریوں نے اس قسم کی انجیلیں لکھی تھیں، لوقا اپنی انجیل کے شروع میں لکھتے ہیں "چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے مگر جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں، جب کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے غلام تھے ان کو ہم تک پہنچایا (لوقا ۱: ۱-۲)۔

لیکن عیسائی حضرات نے ان ہیئت میں انجیلوں میں سے صرف چار انجیلوں کو مقبر مانا ہے جو علی الترتیب مٹی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں، باقی انجیلیں یا تو گم ہو چکی ہیں یا موجود ہیں، مگر انہیں عیسائی حضرات تسلیم نہیں کرتے،

لیکن آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ایک کتاب دریافت ہوئی جو برناباس حواری کی طرف منسوب ہے، اس کتاب کی دریافت نے دنیا بھر میں ایک ٹچل پیدا کر دی اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ بے شمار باتیں ایسی موجود تھیں جن سے عیسائیت کا پورا احوال منہمک ہو جاتا ہے بلکہ اس میں نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی بھی لکھا ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک بہت سے علماء عیسائیت اور ماہرین تاریخ نے اس کتاب کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے، اور تمام عیسائی علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اصلی انجیل برناباس

نہیں ہے، بلکہ اسکا مصنف کوئی مسلمان ہے جس نے عیسائیت کو غلط ثابت کر کے لئے اسے پرنا باس خواہی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جناب ریڈر شیڈرنا مصری مرحوم کے ایک مختصر مضمون کے حوالہ سے اس سلسلے میں کسی مسلمان کی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گذری، حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”انظار الحق“ میں انجیل پرنا باس کا بہت مختصر سا ذکر فرمایا ہے، راقم الحروف حال ہی میں انظار الحق کے اردو ترجمے کی شرح و تحقیق سے فارغ ہوا ہے اسی دوران مجھے انجیل پرنا باس اور اسکے موضوع پر مختلف مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس مطالعے کا حاصل میں اس مختصر مقالے میں پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ علم و دست حضرات کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

میں سب سے پہلے انجیل پرنا باس کا مختصر تعارف اور اس کے کچھ اقتباسات پیش کر دینگا، اور اسکے بعد قدرے تفصیل کیساتھ اس بات کی تحقیق کی جائے گی کہ یہ انجیل اصلی ہے یا جعلی؟ انجیل پرنا باس محروف انجیل اربعہ سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے، لیکن جبار اختلافات ایسے ہیں جنہیں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

۱۱) اس انجیل میں حضرت مسیحؑ نے اپنے ”خدا“ اور ”خدا کا بیٹا“، ہونے سے صاف انکار کر دیا ہے۔
 ۱۲) اس میں حضرت مسیحؑ نے بتایا ہے کہ وہ ”یہیسا“ جسکی نشاندہ عہدیم قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے، اس سے مراد یں نہیں ہوں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق ہیں جو آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے۔

۱۳) برنا باس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ ان کی جگہ یہود اور اسکریوتی کی صورت بدل دی گئی تھی، جسے یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کھجا، اور سولی پر چڑھا دیا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا تھا،

۱۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کر دیا اور وہ کیا تھا وہ حضرت اسمعیلؑ نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

انجیل پرنا باس میں ان حضرت کا اسم گرامی :- ذیل یہ جم انجیل پرنا باس کی چند وہ عیارات

پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سرور کو نہیں حضرت محمدؐ کی تشریف آوری کی بشارتیں ذکر کی گئی ہیں یہاں سے پاس انجیل کے عربی اور اردو ترجمے ہیں، ہم یہاں دونوں کی عبارتیں نقل کر چکے، اردو ترجمے پر اس لئے اکتفا نہیں کیا گیا کہ وہ ایک سلطان عالم کا لکھا ہوا ہے، اسکے برعکس عربی ترجمہ ڈاکٹر خلیل سعادت نے کیا ہے جو ایک عیسائی عالم ہیں۔

۱۱. اَلَسْتُ اَهْلًا لِّكَ اَهْلًا رِبَالًا مِمْوَقًا اَوْ سِمْوَرًا
خَدَّارَ رَسُوْلٍ اَللّٰهُ الَّذِیْ تَعْبُدُوْنَ مِثْلَ الَّذِیْ خَلَقَ
فِیْنِیْ رِیَاقًا بَعْدِیْ۔ (فصل ۴۶ آیت ۱۳)

میں اسکے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ کے جوئے کے بد یا نین کے تھے کہوں جس کو تم مہیا کرتے ہو، وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے گا۔

۱۲. وَاَمَّا لَعْنَتُهُمْ اَمَّا لَعْنَتُهُمْ اَمَّا لَعْنَتُهُمْ
اَللّٰهُ مَعَكَ وَلِیْجْعَلْنِیْ اَهْلًا اَنْ اَمْلِ سِیْرَ
خَدَّ اَمَلْتِ (فصل ۴۷ آیت ۳۰)

اور جب کہ میں نے لاکھوں کو تیری تعظیم سے بھر کر کہنے لگا اے اللہ تیرے ساتھ جو اور جو کو اس قابل بنائے کہ میری تیری جوتی کا تم کو بھوں (۱۶۹ آیت ۱۲۹) اور تیرے

۱۳. اِجَابَ السَّلَامِیْقَ بِمَا مَعْلَمٌ مِنْ عَسَى اَنْ
یَكُوْنَ ذَلِكَ الرَّجُلُ الَّذِیْ تَتَكَلَّمُ عِنْدَ الَّذِی
یَبِیْنُ اِلَى الْعَالَمِ اَنْ اُجَابَ یُسُوْعَ بِاَتِّحَاجَ قَلْبِ
اَنْ اَمَلْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ (فصل ۴۸ آیات ۸، ۹)

شاکر وہاں سے جواب میں کہا اے معلم وہ آدمی کوں ہو گا جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا، یسوع تمہاری خوشی کے ساتھ جواب دیا

۱۴. اَلْحَقُّ اَقُوْلُ كَمَا مَعْلَمًا مِنْ الْقَلْبِ اِنِّیْ
اَفْعُوْلَانِ الْعَالَمِ بِیَدِ عَدُوِّ الْاَسَاوِیْ اَنْ اَمَلْتِ
لَا اَهْلَ هَذَا سَلْبًا، لَعْنَةُ اللّٰهِ الَّذِیْ نَفْسِیْ وَفَقْتُ
فِیْ حَضْرَتِهِ اِنِّیْ رَجُلٌ قَابِ كَا ثَوَانَا سِ
(۵۲: ۱۰ تا ۱۳)

میں تم سے سچ کہتا ہوں دل سے باتیں کرتا ہوں کہ ہر آئینہ میرے بھی روئے ٹھہرے ہوں گے اس لئے کہ دنیا بھر کو صبر و کجی لگی اور مجھ پر لازم ہو گا کہ اسکے حضور میں حساب پیش کروں، اللہ کی زندہ کافی کی تم ہے وہ اللہ کی میری جان اس کے حضور میں کھڑی ہونے والی ہے کہ جب تک میں بھی ایک نما ہوئے والا آدمی ہوں تمام انسانوں جیسا

عربی ترجمہ میں ۸۲، اردو ترجمہ میں ۸۲)

اس انجیل کی دریافت، ستیہ عیسائی ترجمہ میں انجیل بننا اس کا ذکر ایک گشدہ کتاب کی

حقیقت سے ملتا ہے، لیکن لٹل میں شاہ پریشی کے ایک شیخ کو یہ حکام کو درخشا، ایسٹروم کے مقام پر کسی کتب خانے سے ایک کتاب ہاتھ لگی جو اطالوی زبان میں تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس جوائی کی لکھی ہوئی انجیل ہے، اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ گریس کے یہ اطالوی نسخہ ایسٹروم کے کسی صاحب حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا جو اسے انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا، گریس کے یہ نسخہ شہزادہ الیچین ساؤوی کو تحفہ کے طور پر دیدیا، اس کے بعد لٹل میں آسٹریا کے بائیسخت وائٹا کے شاہی کتب خانے میں منتقل ہو گیا، اور آج تک وہیں ہے۔

اسکے بعد اٹھارویں صدی کی ابتدا ہی میں ٹورلی کے مقام پر ایک کٹر مین کو انجیل برناباس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی زبان میں تھا، یہ نسخہ مشہور مستشرق جارج سیل کو ملا تھا جس سے اُسے اپنے ترجمہ قرآن میں مختلف اقتباسات نقل کئے ہیں۔

جارج سیل تھے اس ہسپانوی نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے، اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت یہ ہلاکو بالا اطالوی نسخے کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو کسی اردو غالی سلطان مصطفیٰ عمرندی نے کیا ہے، مصطفیٰ عمرندی ہی تھے اسکے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا پورا حال تحریر ہے۔

اس دیباچے کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً سولہویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فریئر کو آرمینوس شب کے کچھ غلطوہ دستیاب ہوئے جن میں سے ایک میں پولس پر سخت تنقید کی گئی تھی اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ انجیل برناباس میں پولس کی حقیقت خوب واضح کی گئی۔ جب سے فراموشی نے آرمینوس کا یہ خط چھڑھاتھا، اس وقت سے وہ مسلسل انجیل برناباس کی جستجو کرتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اسے اس زمانے کے پوپ اسٹیکس پنجم کا تقرب حاصل ہو گیا، اور ایک روز وہ پوپ گیا تھا اسکے کتب خانے میں پہلا گیا، کتب خانے میں پہنچ کر پوپ کو فینا لکھا اس عرصے میں فراموشی نے وقت گزاری کیلئے کہیں دیکھنی شروع کیں، جن اتفاق سے اس نے پہلی بار جس کتاب پر ہاتھ ڈالا وہ انجیل برناباس کا اطالوی نسخہ تھا، فراموشی اسے حاصل کر کے بہت خوش ہوا اور اسے آستین میں چھپا کر لے آیا۔

یہ پوری روایت مستشرق سیل نے مصطفیٰ عمرندی کے حوالے سے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھی ہے پولس، عیسائیوں کا سب سے بڑا نام ہے جس کے چہرہ غلطوہ بائبل میں شامل ہیں۔

ہے، یہ سپانوی نسخہ جو سب کے پاس تھا اب گم ہو چکا ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ ۱۷۷۷ء میں نسخہ ڈاکٹر
ہیوٹ کے پاس آگیا تھا، اور اس نے اپنے لیکچروں میں بتلایا ہے کہ وہ بیکہ معمولی اختلاف کے علاوہ
اطالوی اور سپانوی نسخوں میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے اسی سے ڈاکٹر منکہوٹس نے اس کا
انگریزی سے عربی میں منتقل کیا، یہ عربی ترجمہ جناب سید رشید رضا مصری مرحوم نے ۱۹۰۸ء میں اپنے ایک
مختصر مقدمے کیساتھ شائع کر دیا، ڈاکٹر خلیل سلاوتہ ہی نے اس انجیل کی فصلوں پر آیتوں کے نمبر
ڈالے ہیں، اصل نسخے میں یہ نمبر موجود نہ تھے اور انہوں نے ہی اس کے شروع میں ایک طویل ویجاہ
لکھا ہے جس میں اولاً انجیل برناباس کی دریافت کا مذکورہ بالا واقعہ تحریر ہے اور اس کے بعد ڈاکٹر
خلیل معاذات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ انجیل کسی ایسے یہودی شخص کی تصنیف
ہے جو پہلے نصرانی اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد عظیم صاحب انصاری روڈلوی نے اس کا اردو
ترجمہ کیا جو ۱۹۱۶ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

یہ تھا انجیل برناباس کا مختصر تعارف؛ اب ہم یہ تحقیق کریں گے کہ یہ انجیل واقعہ
برناباس کی تصنیف ہے یا۔ عیسائی علماء کے بقول۔ کسی مسلمان کی گھڑی ہوئی ہے؟
جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم پر یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس انجیل کا درجہ اسنادِ بائبل
کے کسی بھی صحیفے سے کم نہیں ہے بلکہ اُس سے کہیں زیادہ ہے۔



واقعی نہ جو حضرات یہ ترجمہ دیکھنا چاہیں وہ عربی ترجمہ اسٹیٹ بک کراچی کی لائبریری میں اور اردو
ترجمہ مجلس علمی میری ویڈیو ٹائڈ کراچی کے کتب خانے میں دیکھ سکتے ہیں۔

اب ہم قدرے تفصیل سے اس انجیل کی اصلیت پر گفتگو کریں گے جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہمارے نزدیک اس انجیل کا پایہ اعتبار بائبل کے کسی صحیفے کم نہیں ہے، بلکہ بعض دلائل ایسے ہیں جنکی بنا پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر برناباس حواری ہی کی لکھی ہوئی ہے،

انجیل برناباس کی حقیقت انجیل برناباس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کی تحقیق کرنے کیلئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ برناباس

کون ہیں؟ حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اور انکے عقائد و نظریات کیا تھے؟ ان کے تعارف کا ایک جملہ سب سے پہلے ہمیں لوقا کی کتاب اعمال میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اور یوسف نام کا ایک آدمی تھا، جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نفعیت

کا بیٹا رکھا تھا، اور جسکی پیدائش کہرس کی تھی، اسکا ایک کھیت تھا جسے اس نے

بیچا، اور قیمت لاگور رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی“ (اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل

تھے اور اسی وجہ سے حواریوں نے انکا نام ”نفعیت کا بیٹا“ رکھ دیا تھا، دوسری بات

یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیوی پونجی تبلیغی

مقاصد کے لئے صرف کر دی تھی،

اسکے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام حواریوں پولس

کا تعارف کرایا تھا، حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کیلئے تیار نہ تھا، کہ وہ سادہ جوکل

تک ہم لوگوں کو متاتا اور تکلیف پہنچاتا رہے، آج اضلاس کیساتھ ہمارا دوست اور

ہم مذہب ہو سکتا ہے، لیکن یہ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس

کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ ہمارے ہم مذہب ہو چکا ہے چنانچہ لوقا

پولس کے بارے میں لکھتے ہیں

”اس نے یروشلم میں سینکڑوں شاگردوں میں دل ہانے کی کوشش کی، اور سب اس

سے ڈرتے تھے، کیونکہ انکو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برناباس نے اسے

اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لیا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی ولیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، (اعمال ۹: ۲۶ و ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور ہرنانہا عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا (کے مجھے اعمال ۱۱: ۲۰، ۲۵ و ۲۶ و باب ۱۳ اور ۱۵)۔

لیکن اس کے کچھ عرصہ کے بعد پولس اور ہرنانہا کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، اسی کتاب کے دوسرے باب میں یہ تحقیق کر چکے ہیں کہ یہ اختلافات نظریاتی تھے اور ان کی اصل وجہ یہ تھی کہ پولس نے اصل وین عیسوی میں ترمیم کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنی شروع کر دی تھی یہاں اس تحقیق کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں، جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ لیں، بہر حال اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہرنانہا نے پولس کی کھل کر مخالفت شروع کر دی تھی۔



اس کتاب کے دوسرے باب کی مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر انجیل پر نیاں
پرا جلیے ہمیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے،

ہاے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے

اس آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع

مسیح کے قدر الیہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا!

اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعے جنہیں شیطان

نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا

ہے، تو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور حق

کفر کی تبلیغ کرتے ہیں مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے

ہیں، جتنے کا انکار کرتے ہیں، جس کا اللہ نے

ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر جن کو بہت

کو جائز کہتے ہیں، انہی کے دوسرے میں پوس

مسیح گمراہ ہو گیا، جس کے بارے میں میں کچھ

نہیں کہہ سکتا، مگر انہوں نے اس کے ساتھ اور

وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات

نہیں دیکھ رہے ہیں جو میں نے یسوع کے ساتھ

رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ

تم نجات پاؤ، اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے

اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ، اور

اس بنا پر ہر اس شخص کے بچو جو تمہیں

کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے کہنے

کے خلاف ہوتا، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔

ایہا الاعتراف ان اللہ العظیم العجیب

قد استقدنا فی هذه الايام النعمه

بیسیم یسوع المسمیہ بولسمہ عظیمہ

للتعلیم والایات النبی اتقدھا

الشیطن ذریعۃ لتغلیل کثیرین

بد عویٰ التقویٰ حیشین بتعلیم

شدید الکفر داعین المسیح ابن

اللہ دس اقصین الحیات الذی امونہ

اللہ داعیاً حیدر بن کل لحم نفس

الذین ضل فی عداوہما البیابوس

الذی الاکلم عنہ الامم الاسی

وهو السبب الذی لا یجلہ اسطر

الحق الذی سرایتہ وسمعتہ اشاء

عاشر فی یسوع کی تخلص و کلا

یضدکم الشیطن فتعلکوا فی دینو

اللہ وعلیہ فاحذر واکل احد

بیشر کم بتعلیم جدید مضاد

لہا اکتبہ لتخلصوا خلاصاً ابدیاً

ایرینامی ۱: ۱۰-۱۱

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پوس کے نظریاتی اختلاف کی بنا پر

جد اہم نے کے بعد برنباس نے جو عرصہ دراز تک حضرت یسوع علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے۔۔۔ حضرت یسوع کی ایک سوانح لکھی ہوئی اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کر کے صحیح عقائد و نظریات بیان کئے گئے ہوں،

یہاں تک ہماری گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ خود بائبل میں برنباس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے، اور اس میں پولس کے ساتھ ان کے جن اختلاف کا ذکر ہے، ان کے پیش نظر یہ بات چنداں بعید نہیں ہے کہ برنباس نے ایک ایسی انجیل لکھی ہو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو، اور وہ مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف ہو، اگر یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ انجیل برنباس کو برنباس کی تصنیف سمجھنے کے واسطے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی اسلئے کہ عام لوگوں اور بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا۔۔۔ بلکہ شاید سب سے بڑا۔۔۔ شبہ اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے اہم سمجھی ہیں، وہ جیب دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کی بہت سی باتیں اناجیل اربعہ اور مروجہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ واقعی برنباس کی تصنیف ہے، انسائیکلو پیڈیا امریکانا کا مقالہ نگار اس انجیل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

درہم سے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ انجیل برنباس کے اصلی مضامین کیا تھے؟ تاہم اس نام سے اٹلائی زبان میں ایک طویل صحیفہ آج کل پایا جاتا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے اور جس میں مضمون کا ایک مضبوط عنصر موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں لانس ڈیل اور لارڈ نے اسے ایڈٹ کیا تھا، اور ان کا خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا تھا، اور غالباً یہ تیرہویں اور سولہویں صدی کے درمیان کسی وقت لکھی گئی ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ص ۲۷۱ ج ۳ مقالہ برنباس)

آپ نے دیکھا کہ فاضل مقالہ نگار نے اس کتاب کے ناقابل اعتبار ہونے پر کوئی

مٹوس دہلیش کرنے کے بجائے چھوٹتے ہی اسپریت تبصرہ کیا ہے کہ: ”جو اسلامی نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے“ اور اس بات کو کتاب کے جعلی ہونے پر کافی دلیل سمجھ کر گئے یہ بحث شروع کر دی ہے کہ اس کا لکھنے والا کون تھا؟ اور یہ کب لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوس کے نظریات و عقائد اور اسکے بیان کردہ واقعات و نہیوں میں کچھ اس طرح بیٹھ چکے ہیں کہ جس کتاب میں انکے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو، اُسے کسی سواری کی طرے

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

نسوب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ لیکن اور جو گذارشات ہم نے پیش کی ہیں، انکی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر برنباس کی کسی تصنیف میں پوس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عقیدہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو تو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا، اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ پوس کے نظریات کی خلاف ورزی ہے، اسلئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پوس اور برنباس میں کچھ نظریاتی اختلاف تھا، جسکی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے،

اس بنیادی نکتہ کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اسلئے بیان کیا ہے کہ تاکہ انجیل برنباس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصور ذہن سے دور ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر آپسی جاتا ہے،

اسکے بعد آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی برنباس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ برنباس نے ایک انجیل لکھی تھی، یہاں تک کہ قدیم مآخذ میں برنباس کی انجیل کا تذکرہ ملتا ہے، اظہار الحق (ص ۲۳۵ ج ۱) میں اکیسہو کے حوالہ سے جن گم شدہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برنباس کا نام بھی موجود ہے، امریکا (ص ۲۴۲ ج ۳) کے مقالہ برنباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے،

چونکہ انجیل برنباس دوسری انجیلیوں کی طرح رواج نہیں پاسکی، اسلئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے؟ لیکن کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ایک واقعہ

ایسا لگتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برنباس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد و نظریات کخیالات کچھ باتیں موجود ہیں وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آن حضرت سلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے) ایک پوپ جیلاشیس اول کے نام سے گذرا ہے، اُس نے اپنے دور میں ایک فرمان جاری کیا تھا، جو فرمان جیلاشیس (

کے نام سے مشہور ہے، اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا، ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برنباس بھی ہے دو لکھتے انساٹیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۶۲۲ ج ۳ مقالہ برنباس اور جیمز مین انساٹیکلوپیڈیا، ص ۱۹۷ ج ۶ مقالہ جیلاشیس اور مقدسہ انجیل برنباس از ڈاکٹر مفیل سعادت سنجی،

اگرچہ بعض سنجی علماء نے جیلاشیس کے اس فرمان کو بھی جعلی اور غیر مستند قرار دیا ہے، مثلاً انساٹیکلوپیڈیا بریٹانیکا مقالہ جیلاشیس، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں معلوم نہیں ہو سکی اور امریکانہ کے مقالہ نگاروں نے اسے تسلیم کیا ہے، والٹنٹسٹ مقدمہ علی الثانی، بہ کفایت، اگر یہ فرمان درست ہے تو سوال یہ ہے کہ جیلاشیس نے انجیل برنباس کے

مطالعہ کو کیوں ممنوع قرار دیا؟ خاص طور سے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ پوپ جیلاشیس بدعتی فرقوں کا مقابلہ کر کے میں بہت مشہور ہے، یقیناً اس نے اس کا مطالعہ اس لئے ممنوع کیا ہو گا کہ اس میں عام عیسائی نظریات کخیالات کچھ باتیں موجود ہیں اور ان سے کسی "فرقے" کی تائید ہوتی تھی اس واقعہ سے اتنا اشارہ اور مل جاتا ہے کہ انجیل برنباس عام عیسائی نظریات کے خلاف تھی اب تک عیسائی باتیں ہم نے سہل کی ہیں وہ خارجی قرائل ہیں، جن سے موجودہ انجیل برنباس کی اصلیت پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے، اس کے بعد ہم کتاب کے اندرونی قرائن سے بحث کرتے ہوئے مختصر اوہ داخلی شہادتیں بیان کر چکے ہیں اس کتاب کے اصلی یا جعلی ہونے کا یہ مل سکتا ہے، پہلے وہ قرآن ذکر کرنے جاتے ہیں جن سے اس کتاب کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر یہ کتاب اصلی نہیں ہے تو یقیناً کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہوگی۔ حیاتیات اکثر نظریاتی علماء کا دعویٰ یہی ہے، اور احوال اس کے لکھنے والے کا مقصد یہ ہو گا کہ اس کتاب کو برنباس

کہ مکتبہ اچھڑ مشول پیا فنی مٹ
 ۱۱ اور میں اس رسول کی خوشخبری دینے والا بنا
 رو بھیجا گیا ہوں ہر صبح بعد از نماز اور اسکا نام لکھ دیا گیا
 اسکے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ہر جگہ آپ کا اسم گرامی **مُحَمَّدٌ** ذکر کیا گیا
 ہے اور کسی ایک جگہ بھی **”أَحْمَدٌ“** کا لفظ وجود نہیں ہے۔

۲۱ اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ کہلا دیا گیا ہے کہ عہد قدیم کی
 کتابوں میں جس ”یسع“ یا ”میسع“ کی بشارت دی گئی ہے، اس سے مراد میں نہیں ہوں،
 بلکہ ”عزراہول اللہ“ (اصل اللہ علیہ وسلم) ہیں (فصل نمبر ۱۹ آیت ۱۵)۔
 اگر اس کتاب کا لکھنے والا کوئی مسلمان ہے تو اسے یہ بات گھسنکی ضرورت نہیں تھی کیونکہ
 یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے، اور اس کے لکھنے سے بھی خواہ مخواہ شبہات پیدا ہو سکتے ہیں،
 بعض حضرات کا کہنا ہے کہ لکھنے والے نے کسی کو دھوکہ میں ڈالنے کیلئے یہ سب لکھ نہیں
 لکھا تھا، بلکہ یہ کتاب دراصل ایک تختی (EMASCINATORY) کتاب ہے، جس میں لکھنے
 والے نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کے مطابق حضرت یسوع علیہ
 السلام کی ہوائی حیات کیسی ہونی چاہیے۔

یہ بات کسی مذہب تک ذہن فیماں ہو سکتی تھی، لیکن انجیل برناباس کو ٹپہ ہونے کے بعد
 اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے، اول تو ایسی صورت میں مصنف کو اپنا نام ظاہر کرنا چاہیے
 تھا، اسکی بجائے اس نے اسے برناباس کی طرف کیوں منسوب کیا؟ پھر اس کتاب میں بہت سی
 باتیں اسلامی تصورات کے بالکل خلاف ملتی ہیں، انکی کوئی تاویل مجھ میں نہیں آتی، مثلاً:
 (۱) فصل نمبر ۲۰۹ آیت ۴، فصل نمبر ۲۱۵ آیت ۱۲ اور فصل نمبر ۲۱۹ آیت ۴ میں کچھ فقراتوں
 کے نام ذکر کئے گئے ہیں، جن میں جبریل کے علاوہ یسحاق، یوسف اور یسوع بھی مذکور ہیں،
 مگر خزانہ کو مینوں ناموں سے اسلامی ادب بالکل نا آشنا ہے،

(۲) فصل نمبر ۲۱۹، ۲۲۰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت یسوع علیہ السلام کو آسمان پر
 اٹھایا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے
 کی اجازت دی جائے، تاکہ میں اپنی والدہ اور شاگردوں سے مل آؤں، چنانچہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انہیں دوبارہ دسیاں بھیجا، اور وہ اپنی والدہ اور شہزادوں کے کچھ دیگر گفتگو کر کے پھر واپس تشریف لے گئے،

یہ واقعہ بھی اسلامی تصور کے خلاف ہے، آج تک کوئی مسلمان ہمارے نگاہ سے ایسا نہیں گذرا جو حضرت مسیحؑ کے آسمان پر تشریف لیمانے کے بعد منظورسی ویر کیلئے واپس کا قائل ہو، (۲) فصل ۳۱ آیت ۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

اعطوا اذا ما لقيتمو لقيتمو دما
لله والله
درب توقيف كالحق تقيف كوديد وادراشد
لا حتى انك كود

دین و سیاست کی تفریق کا یہ نظریہ بحالہ غیر اسلامی ہے، اور علماء اسلام شروع سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں،

(۳) فصل ۵، آیت ۳ میں آسمانوں کی تعداد دو ٹو بتائی گئی ہے، اگرچہ بعض مفسر اسکے قائل رہے ہیں، مگر مسلمانوں میں مشہور قول سات ہی کا ہے، قرآن کریم میں بھی آسمانوں کی تعداد ستر ملکہ سات ہی مذکور ہے، اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے ملتے ہیں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں، یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں رہے ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تخلیق تصنیف ہے،

یہ تھے وہ قرآن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، اب ہم وہ قرآن پیش کرتے ہیں جن سے اس کتاب کا جعلی ہونا معلوم ہوتا ہے، اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہل مغرب نے استدلال کیا ہے، (۱) عیسا کہ ہم نے عرض کیا، عیسائی حضرات کو اس انجیل کے اصلی ہونے پر سب سے پہلا شبہ

تو یہی ہے کہ اس میں بیان کردہ عقائد و نظریات اناجیلی ارنیہ کے بالکل خلاف ہیں، لیکن بحث کی ابتدا میں ہم تفصیل کیساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ناس کی انجیل میں اگر عام عیسائی تصورات کی خلاف کچھ باتیں ہوں تو وہ کسی طرح حقیقت کے تحت نہیں ہیں اور نہ یہ بات اس کتاب کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی،

(۲) دوسرا شبہ یہ ہے کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا اسم کوئی مذکور ہے، حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آئندہ کسی نبی کی پیشین گوئی فرماتے ہیں تو صاف صاف نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا علیہ اور اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں، اور وہ بھی عموماً مثیلات اور اشاروں کنایوں میں یا تہل میں کسی جگہ کسی آئینوالے شخص کا نا ذکر نہیں کیا گیا۔

لیکن اس میں اول تو یہ کہتا ہی غلط ہے کہ بائبل میں کسی آئے والے کا نام مذکور نہیں ہے اس لئے کہ کتاب یسعیاہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی زبان یہ پیشین گوئی بیان کی گئی ہے کہ: ”دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا“ اور کافانام قانواہل کے لے ”یسعیاہ“ (۱۱:۱۰)۔

عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کی گئی ہے اسی وجہ سے انجیلوں میں اس عبارت کو پیشی کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کی حقانیت پر استدلال کیا گیا ہے (دیکھئے مثنیٰ ۲۲:۱۱ اور لوقا ۲۴:۲۱) اگرچہ اس معاملہ میں بائبل کے شارحین سخت غیر اہل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی نام عمالواہل متناہا نہیں، لیکن اس سے کم از کم اتنی بات بہر معنوت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشین گوئی اس کا نام بنا کر بھی کر دی جاتی ہے،

اس کے علاوہ زبور میں ہے:

”قومی کس لئے پیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں اہل خیال ہاڑھتی ہیں؟ اور اگلے مسیح کی لاف“ (زبور ۱۱۲:۱)۔ عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ”دیکھئے آگسٹورڈ بائبل کنکارڈنس“ ص ۳۶، مطبوعہ لندن، اس پیشین گوئی میں بھی صریح لقب موجود ہے، بلکہ کتاب دانیل میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی مدت بعثت بھی بیان کر دی گئی ہے:

”اور بائبل مفسرین کے بعد وہ مسوحہ نقل کیا جائے گا اور اس کا کچھ ترجمہ کیا جائے گا“ (دانیل ۱۲:۱۱)۔

اس کے علاوہ یسعیاہ ۱۱:۸ اور یرمیاہ ۵۱:۲۳ میں بھی آئے والی شخصیتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، ان تمام حوالوں سے بہر حال یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر آئے والی شخصیت عظیم الشان ہو تو بعض اوقات پیشین گوئی میں اس کا نام بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، مذکورہ مثالیں

تو بائبل کی جتنی اسلامی ذخیرہ احادیث میں آنور زمانہ کے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھا گیا ہے، اب آپ غور فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کر دیا ہو تو اس میں انجیل کی کوئی بات ہے، خاص طور سے اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے آپ پر نبوت و رسالت کے مقدس سلسلہ کو ختم ہونا تھا، اور آپ کی نبوت کو کسی خاص خطہ یا قوم کے ساتھ مخصوص کرنے کے بجائے دنیا کے ہر گوشہ کے لئے عام کیا جانے والا تھا، کیا ایسے نبی کی پیشینگوئی میں علیہ اور اوصات کے علاوہ نام ذکر کرنا قرین نیاں نہیں ہے؟

۱۲) انجیل برشاس کے اصل ہونے پر تیسرا شبہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس انجیل کا اسلوب بیان باقی انجیلوں سے کافی مختلف ہے۔ لیکن ہماری رائے کے میں اقول تو اسلوب بیان کے اختلاف کا فیصلہ اتنی جلد ہی سے نہیں کیا جاسکتا، اب تک انجیل برشاس کا کوئی عبرانی یا یونانی نسخہ دریافت نہ ہوا ہے، اس سے انجیل اربعہ کا مقابلہ کیا جاسکے، اور ترجموں کے ذریعہ اسلوب تحریر کا موازنہ بہت غیر محتاط ہوگا، اسلوب تحریر کا جس قدر اختلاف ترجموں کے معلوم ہوتا ہے وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بناء پر کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔

دوسرے اکثر بعض انجیل برشاس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے جعلی ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ہر لکھنے والے کا طرز تحریر جدا ہوتا ہے کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے پہلی تینوں انجیلوں سے جید مختلف ہے، اور اس بات کو تمام عیسائی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں، پادری جی ایف مسیلی بائبل پر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں :-

”تاہم یہ انجیل (یعنی انجیل یوحنا) مسودہ استعراض رہی ہے، کیونکہ یہ انجیل متفقہ سے کسی طرح سے مختلف ہے، بیشک اختلافات تو ہیں لیکن اگر ہم چھ مٹی انجیل کو اس کی اپنی خوبیوں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یا تو مصنف خود چشم دید گواہ تھا، یا کسی چشم دید گواہ کے بیانات و شہادت کو اس نے نقل کیا تھا۔ (مہدی کتب خانہ، مطبوعہ لاہور)“

تیرے بعد تمام مہرید کے مفسر اگر اسے ناکس لے اپنی تفسیر کے شروع میں کسی قدر تفصیل سے انجیل پر مٹانے کے اسلوب بیان کا جائزہ لیا ہے (ملاحظہ ہو اسے یوگنڈا سنٹ کنٹری، ص ۳۳ جلد اول مطبوعہ لندن ۱۹۵۲ء) لہذا اگر انجیل یونانی باقی قرن انجیلوں کے اسلوب کے فرق کے باوجود معتبر انجیل کہلائی جا سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انجیل برنیاس کے اسلوب تحریر کی وجہ سے اسے روک دیا جلتے؟

(۴) انجیل برنیاس کے اصلی ہونے پر چونکہ شاید بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ حتمی کے واقعہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس پیڑ پر چڑھے تھے، اس کتاب کی فصل ۴۲ آیت ۱۹ میں اس کا نام "جیل طاوور" لکھا ہے، حالانکہ یہ تحقیق اناجیل اربعہ کے بہت بعد ہوئی ہے کہ اس کا نام "طاوور" تھا،

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ بات انجیل برنیاس کی اصلیت کو نقصان نہیں، نہادہ پہنچاتی ہے، اس لئے کہ یہ عین ممکن ہے کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین نے ناواقفیت کی بنا پر یا غیر ضروری کچھ کر پیڑ کا نام ذکر کیا ہو، برنیاس نے اسے ذکر کر دیا، اس قسم کے اختلافات خود اناجیل اربعہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں،

(۵) انجیل برنیاس کی اصلیت پر ایک خاصا وزنی اعتراض وہ ہے جو ڈاکٹر ٹھیل سماعت نے اس کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے، اور وہ یہ کہ اس کتاب کی فصل نمبر ۸۲ آیت نمبر ۱۸ میں ایک جملہ یہ موجود ہے کہ -

<p>۵۔ یہاں تک کہ یوہنا کا سال جو اس وقت ہر سو سال میں آتا ہے، یہاں اس کو ہر چار سالہ کر دے گا۔</p>	<p>حتى ان سنة اليوبيل التي تخرج الآن كل مائة سنة فيجعلها مئة كل سنة في كل مكان،</p>
----------------------------------------------------------------------------------------------------	---------------------------------------------------------------------------------------------

اس میں جس جرمی کا ذکر ہے اس سے مراد ایک یہودی تہوار ہے، اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ "اس وقت ہر سو سال میں آتا ہے"۔ حالانکہ یہ تہوار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تک ہر چار سو سال کی ابتداء میں منایا جاتا رہا ہے، کتاب احبار ۱: ۱۵ میں اس کے لئے چار سو سال ہی کی مدت بیان

کی گئی ہے، اور اس کے بعد کلیسا کی تاریخ میں صرف ۱۳۰۰ء ایک ایسا سن ہے جس میں
یوپ بونی ناٹیش ششم نے اس جولائی کی مدت میں اضافہ کر کے اسے ہجری کی ابتداء میں
منانے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد میں اس حکم پر عمل نہ ہونے کا اس لئے کہ ۱۳۰۰ء میں جو پہلی جولائی
منان گئی اس میں کلیسا مال و دولت سے مہال ہو گیا، اس لئے یوپ اکلینش ششم نے
۱۳۵۰ء میں یہ فرمان جاری کیا کہ یہ تہوار ہر چھپاس سال میں ایک مرتبہ منایا جائے، پھر یوپ
اربائیس ششم نے اس مدت میں اور کمی کی اور ۱۳۸۵ء میں یہ حکم جاری کیا کہ یہ تہوار ہر تینتیس
سال میں ایک بار منایا جائے، پھر یوپ پوس دوم نے احمد کی کر کے اسے ہر پچیسویں سال منانے
کا حکم دیا اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ پوری تاریخ میں صرف ۱۳۰۰ء سے
۱۳۵۰ء تک ایک ایسی مدت گذری ہے جس میں اس جولائی کو ہر سو سال میں ایک بار
منانے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے انجیل برنباس کا لکھنے والا اسی مدت کا ہونا چاہیے۔
لیکن پھر خود ڈاکٹر غلیل سعادت ہی نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، اور وہ
یہ کہ انجیل برنباس کو ٹرپے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا عہد نامہ قدیم
کے تمام تعیناتوں سے خوب واقف ہے، اور ان کا وسیع علم رکھتا ہے، اور ایسی صورت
میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے ایسی فاش غلطی ہو گئی ہو جس کا معمولی طالب علموں
سے سرزد ہونا بھی مشکل ہے، لہذا الظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخہ میں یہیں سو
کے بجائے پچاس کا لفظ ہو گا، لیکن کسی لکھنے والے نے غلطی سے اس لفظ کے کچھ
حروف گھٹا کر اسے سو بنا دیا، اس لئے کہ اہل لوی زبان میں سو اور پچاس کے لفظوں میں
کچھ اتنی مشابہت ہے کہ اس قسم کی غلطی کا واقعہ ہونا عین ممکن ہے، اس کے علاوہ
ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ جو وہوی ہجری عیسوی کے کسی ٹرپے والے نے یہ
جملہ حاشیہ کے طور پر لکھا دیا ہو، جو غلطی سے متن میں شامل ہو گیا یا سبیل میں اس طرح کے
یہ شمار الحاقات ہوئے ہیں، جن کا اعتراف مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو ہے،
مثلاً کتاب پیدائش ۱۳: ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰

تھا، اور جب بنی اسرائیل نے حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فلسطین کو فتح کیا، تب اس کا نام جیرون رکھا تھا چنانچہ کتاب یوشع میں تصریح ہے کہ:-

”اور اگلے وقت میں جیرون کا نام قریت الریح تھا“ (یوشع ۱۲: ۱۴)

یہ تو ایک مثال ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اُلے یا بیل سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں (ملاحظہ ہو انوار الحق باب دوم مقصد دوم جلد اول)

اُن تمام مثالوں میں عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ میں کسی نے حاشیہ کے طور پر لکھ جاتے تھے جو غلطی سے متن میں شامل ہو گئے، یہی بات انجیل برنباس میں اس مقام پر بھی کہی جاسکتی ہے۔

(۷) انجیل برنباس کی اصلیت پر چھٹا اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات چودھویں صدی کے مشہور شاعر ڈانٹ سے ملتے ہیں، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانٹ کا معاصر ہے۔ لیکن اس اعتراض کی کمزوری محتاج بیان نہیں، دو انسانوں کے کلام میں اگر کچھ مطابقت پیدا ہو جاتے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لازماً دوسرے سے ماخوذ ہے، اور نہ بقول علامہ رشید رضا یہ ماننا چاہیے گا کہ تورات کے تمام قوانین حمورابی کے قانون سے ماخوذ ہیں سچا اگر توار و شکل معلوم ہوتا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ ڈانٹ قے اپنے خیالات انجیل برنباس سے مستعار لئے ہوں؟

(۸) ڈاکٹر خلیل سعادت نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض عجیب فلسفیانہ انداز کی ہیں، اور انجیل اربعہ میں یہ انداز نہیں ہے۔ لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اسکے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، انجیل یوحنا کو دیکھئے، اس کا تاثر غرائز اور مشیقات سے بھرپور انداز باقی تینوں انجیلوں سے کتنا مختلف ہے، اسکی بہت سی عبارات تو ایسی ہیں کہ آج تک لفظی طور پر حل نہیں ہو سکیں، مگر اسے تمام عیسائی معتبر انجیل مانتے ہیں۔

(۸) ہمارے نزدیک انجیل برنباس کے قابل اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط

احقر اٹھ بیس ہے کہ یہ کتاب کسی قابل اعتماد طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی، جس شخص نے اسے پھیلایا اور عام کیا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلومات نہیں ہیں، کہ وہ کس قسم کا انسان تھا؟ اس نے فی الواقع یہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طویل عرصہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سوالات بہت معقول اور درست ہیں، اور جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ملے اس وقت تک اس کتاب کو یقینی طور پر اصلی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

www.Only1or3.com

www.OnlyOneOrThree.com

لیکن بعینہ یہ سوالات بائبل کے ہر جرحیہ کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا، لہذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں ان کیلئے انجیل برنباس کو ناقابل اعتماد قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ہم بحث کی ابتداء میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس طویل گفتگو سے ہم یہ دعویٰ کرنا نہیں چاہتے کہ یہ کتاب یقینی طور پر اصلی اور قابل اعتماد ہے، نہ ہم اسے یقینی طور پر الہامی اور آسمانی سمجھتے ہیں، نہ یہاں یہ دعویٰ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے، بلکہ ہماری گزارشات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اس کا پایہ اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے ہرگز کم نہیں ہے، جیسے ناقابل اعتماد طریقوں سے بائبل ہم تک پہنچی ہے ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پہنچی ہے جس طرح انجیل برنباس کے سلسلہ سند گریس یا رابن فرامزینو پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح تورات کی سند ٹوٹتی پھوٹتی ہوئی زیادہ سے زیادہ خلقیہ کاہن تک پہنچتی ہے، شاہ یوسیاہ کے زمانہ تک اس کا کوئی پتہ نشان نہ تھا، اچانک یوسیاہ کے زمانہ میں خلقیہ کاہن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے پہلی کو صاف کرتے وقت تورات مل گئی ہے، اور اس کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کر لیا جاتا ہے (دیکھئے ۲، سلطین ۲۲: ۳ تا ۴)۔

یہی حال عہد قدیم کی دوسری کتابوں کا ہے، کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہی تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ اور وہ کس زمانہ میں لکھی گئیں؟ عہد نامہ قدیم کا معاملہ تو بہت پرانا ہے، خود انجیل اور کلاسیکی حال ہے کہ نہ انجی

کوئی منہ موجود ہے، نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ واقعی سوار یوں یا ان کے شاگردوں کی کبھی ہوئی ہیں ٹرے ٹرے عیسائی علماء نے انہیں اصل ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن ظن و تخمین کے سوا کچھ نہ کہہ سکے، اور آخر میں اس بات کا کھلا اعتراف کرتے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انجیلوں کا کوئی نشان نہیں ملتا، عیسائی علماء کے بے شمار اقوال میں سے ہم یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو اناجیل اربعہ کی حقیقت معلوم ہو سکے گی، مسٹر برٹ بلین اسٹریٹ اناجیل اربعہ پر اپنی معروف کتاب (FOUR GOSPELS) میں لکھتے ہیں:-

”عہد نامہ جدید کی تحریروں کو الہامی صحیفوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، کیا یہ کوئی کلیسیائی اعلان تھا جس پر ٹرے ٹرے کلیساؤں کے ذمہ داروں نے اتفاق کر لیا تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۰ کے لگ بھگ اناجیل اربعہ کو انطاکیہ افسس اور روم میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔“

(فور گاسپلس، ص، مطبوعہ نیویارک)

گویا سنہ ۱۸۰ سے پہلے تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا، اور اسٹریٹ نے یہ جو کہا کہ سنہ ۱۸۰ میں اناجیل اربعہ کو انطاکیہ وغیرہ میں تسلیم کر لیا گیا تھا اس کی بنیاد بھی اگناٹس اور کلمینس وغیرہ کے خطوط ہیں جن میں ان انجیلوں کے حوالے موجود ہیں، لیکن خود یہ خطوط بھی مشتبہ ہیں، جیسا کہ مولانا گیرالڈی نے اظہار الحق میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

یہ تو اناجیل اربعہ کی اسناد کا حال ہے، رہیں اندرونی شہادتیں، سو اس معاملہ میں بائبل کی حالت موجودہ انجیل برنباس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ناگفتہ بہ ہے، کیونکہ اس میں بے پناہ استلذات اور غلطیاں موجود ہیں۔

لہذا ہماری گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اصول و تنقید کا تعلق ہے ان کی رو سے تو بلاشبہ انجیل برنباس ایسی کتاب نہیں ہے جس پر یقینی طور

سے اعتماد کیا جاسکے، لیکن ان اصول کی روشنی میں پوری بائبل بھی قطعی ناقص اہل
اعتبار ہے۔

رہے عیسائی حضرات کے وہ اصول تنقید جنہوں نے بائبل کو نہ صرف قابل اعتبار
بلکہ الہامی اور آسمانی قرار دیا، سو ان کی روشنی میں انجیل برنباس بھی قابل اعتبار ٹھہرتی
ہے، لہذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں، ان کے پاس انجیل برنباس کو رد
کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، بلکہ جتنے خارجہ اور اندرونی قرائن اس کتاب کی
اصلیت پر دلالت کرتے ہیں اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں،
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم



ہر قسم کی اسلامی کتابوں کا مرکز

دارالانشاعت
مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

جلد حقوق محفوظ !

باجتہام محمد رفیع عثمانی !

۱۰

صلنے کے پتے

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱۔

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۵۔

مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۵۔

ادارۃ اسلامیات صفحہ ۱۹۰ انارکلی لاہور

نام : مولانا محمد تقی عثمانی ابن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

(مفتی اعظم پاکستان، ایڈیٹر دارالعلوم کراچی)

ولادت : ۵ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ (اکتوبر ۱۹۶۳ء)

تعلیم : ۱۔ تکمیل درسیں نظامی دارالعلوم کراچی ۷۹ھ (۱۹۵۰ء)

۲۔ فاضل عربی و پنجاب بورڈ ۱۹۵۸ء۔ امتیازی درجے کے ساتھ

۳۔ بی۔ اے کراچی یونیورسٹی۔ ۱۹۶۴ء

۴۔ ایل۔ ایل۔ بی کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۷ء۔ امتیازی درجے کے ساتھ

۵۔ ایم۔ اے عربی و پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۰ء۔ امتیازی درجے کے ساتھ

مدریس : حدیث و فقہ کے علاوہ مختلف اسلامی علوم کی مدرس۔ دارالعلوم کراچی۔

۱۹۶۰ء سے تاحال۔

www.onlyfor3.com

www.onlyonethree.com

صحافت : ادارت مابینار "ابلاغ" ۱۹۶۷ء سے تاحال

ادارت مابینار "ابلاغ انٹرنیشنل" (انگریزی) ۱۹۸۹ء۔ سے تاحال

مناصب : ۱۔ نائب مہتمم دارالعلوم کراچی ۱۹۷۶ء سے تاحال

۲۔ عمران شعبہ تصنیف و تالیف۔ دارالعلوم کراچی

۳۔ راج شریعت اکیڈمی شیخ۔ پیریم کورٹ آف پاکستان

۴۔ "مجمع الفقہ الاسلامی" جد

۵۔ معاشیات اور بینک پر قاتل قذافی کے باعث

اسلامی ممالک کے مختلف بینکوں میں شریعت تحریری بورڈ

(Shariah Supervisory Boards) کے ممبر

۶۔ ممبر آف سنڈیکیٹ۔ کراچی یونیورسٹی

تصانیف : تصانیف کی فہرست اسی کتاب کے غلبہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

